ماہنامہ

قلندر شعور

جنوری ۲۰۲۳ء

سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں ملتا

اگر اللہ نازل کرتا یہ قرآن پہاڑ پر تو وہ اللہ
کی خشیت سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

زیر سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری

فری ممبرشپ

جنڈ، اٹک

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ و طالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

اوقات: عصر تا مغرب روزانہ

حاجی بازار، جنڈ، اٹک۔ موبائل نمبر: 03009145175

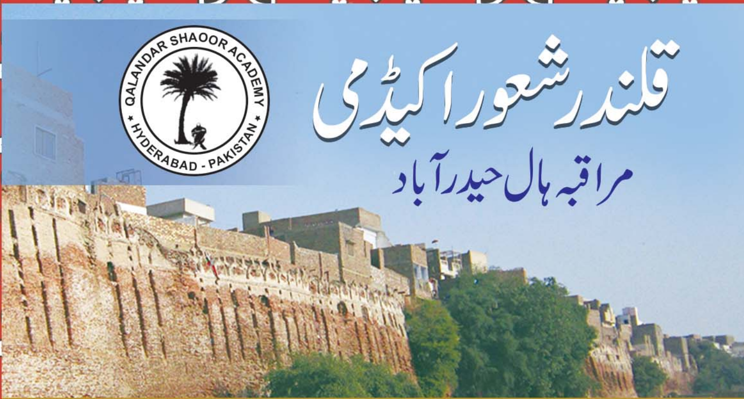

قلندر شعور اکیڈمی

مراقبہ ہال حیدر آباد

زیر سرپرستی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ

قلندر شعور ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت اپنے اندر روحانی صلاحیتوں کو متحرک کر سکتے ہیں۔

روحانی علوم کے متلاشی، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے خواتین و حضرات کے لئے خوش خبری

گلشن شہباز، نزد ٹول پلازہ، جامشورو حیدر آباد، 71000 ، پاکستان

فون نمبر: 0333-2695331 ، 0331-3615533

DEFENCE
3D - OPG - CEPH

3 DIMENSIONAL DENTAL IMAGING CBCT SYSTEM

KARACHI

3D

Free software provide with implant library to all consultant for Nerve Tracing. Cephalomatric Tracing, Implant Planing.

Maxillofacial

Implant Planning

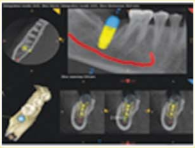

OPG

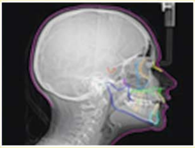

CEPH

Take Your Practice to the Next Level !

Defence branch:
0213-8941506 - 0343-7180348
Building # 7-C, Shop # 1, Street 10, Badar Commercial Area, Phase 5 Ext. DHA, Karachi.

Sharfabad branch:
0213-4920777 - 0320-4690899
Plot # 87, Shop # 2, Zulekha Tower, Block-3, BMCH Society, Main Jamal-ud-Din AfghaniRoad, Sharfabad, Karachi.

Email: info@3d-diagnostic.pk Web: www.3d-diagnostic.pk

عظیمی

روغن

پرسیاؤشاں

REDISCOVER YOUR HAIR'S NATURAL BEAUTY

گھنے، لمبے اور چمکدار
بالوں کی نشوونما کے لئے
جڑی بوٹیوں سے تیار کیا ہوا تیل

چمک دار سیاہ بال

خشکی کا خاتمہ

نرم و ملائم بال

- حافظہ روشن کرتا ہے
- دماغ کو تقویت دیتا ہے
- سر درد میں مفید ہے

عظیمی میڈیکل اسٹور

ہول سیل میڈیسن مارکیٹ، ڈینسو ہال، کراچی۔
فون: 021-32439104 موبائل: 0321-2553906

السلام علیکم
PARK TOWER
LDA Approved
LDA-DMP-423
گراؤنڈ فلور
+6 منزلہ عمارت
پارک ٹاور
PARK TOWER
FOOD COURT
RESTAURANT SHOPS
APARTMENTS
ICONIC PROJECT IN
NEW LAHORE CITY
SECTOR C PEARL ENCLAVE
نیو لاہور سٹی میں...
مین کمرشل سیکٹر C سے منسلک
بحریہ ٹاؤن اور رنگ روڈ سے چند منٹ
کی مسافت پر
PMS
PROPERTY MANAGEMENT SERVICES
FACING PEARL ENCLAVE PARK
فوڈ کورٹ، ریسٹورینٹ
دکانیں اور اپارٹمنٹس
4 سال کی
آسان اقساط
Plot no 191,192,193,194 Sector-C, Pearl Enclave, New Lahore City (Zaitoon) Canal road Lahore.
+92-333-4715823 +92-300-8711836 +92-300-2223712 +92-321-4070699
www.parktower.pk | info@parktower.pk
CCTV & Security
Smart Entry & Alarm
Parks & Play Areas
Public Transport
Wide Road Network
Hospital
School
Power Backup
1 & 2 Bed
Fitted Kitchen
Laundry Area
Bath

جلد 10 شمارہ 12 | جنوری 2023ء | جمادی الثّانی ـــ رجب 1444ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ قلندر شعور کراچی

Neutral Thinking

(اردو ــــ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیا رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

بااہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ــــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 110 روپے.... سالانہ ہدیہ 1680 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 70 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 213(0) 92+

۲۹ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ	محترم گوبند سنگھ	10
نعت رسول مقبول ﷺ	ساقی جاوید	11
منقبت بحضور قلندر باباؒ اولیاؒ	شعرائے کرام	12
کُن ★ ★ ★ فیکون	ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ	14
فقیر کی ڈاک	ادارہ	18
نامے میرے نام	خانوادہ سلسلہ عظیمیہ	20
زندگی میری فقط اک جراَتِ رندانہ ہے	پروفیسر شیخ فقیر محمد	25
پہاڑ باشعور مخلوق ہیں	(M.A.Fine Arts)حامد ابراہیم	31
زمان و مکاں	نادر جہاں	37
پیرا سائیکالوجی	خواجہ شمس الدین عظیمی	41
رنگ، رنگ زندگی	گلِ نسرین	45
اضطراب	گلستان احمد	51
آدمی مٹی ۔ انسان موجِ دریا	(متحدہ عرب امارات) بی بی انور ادھا	55
ایک درخت میں 40 مختلف پھل	(M.Sc Zoology) زاہدہ تبسم	61

اولاد اور مال فتنہ ہیں ________ عابد محمود 67

گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیم ________ اظہر حسین 75

چائے کی بہن ________ حماد علی شاہ 79

دماغ کے خ ان ے ________ (B.Sc Software Engineer) محمد عاصم بیگ 85

نومبر 2022ء کے سرورق کی تشریح ________ قارئین 90

حس
احساس △ محسوس (مظاہرہ) ________ (Ph.D.) ڈاکٹر نعیم ظفر 93

اقتباسات ________ خواتین و حضرات 99

دستر خوان ________ وزیر آغا 101

سنا کِس نے ________ عرفانہ شہزاد 109

پورب کے ہم زاد ________ (M.Sc. Applied Physics) محمد عدنان خان 113

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ________ عظیمی خواجہ شمس الدین 119

126 Raheel Inam ________ Nothing is Purposeless

130 Bibi Anuradha (UAE) ________ Amnesia

135 Gul-e-Nasreen ________ The Dear Mother

138 K. S. Azeemi ________ Message of the Day

محترم گوبند سنگھ

حمد باری تعالیٰ

وہ قائم ہے دنیا کے آغاز سے
ہے واقف اس آغاز کے راز سے
کرم اس کا بندوں پہ جاری ہے عام
کرم ہی سے وابستہ ہے یہ نظام
سراپا مسرت ہے اس کی نظر
وہی رزق دیتا ہے شام و سحر
دَیا ہے دَیا کا وہ بھنڈار ہے
اسی کی دَیا سے یہ سنسار ہے
وہی ہم کو دیتا ہے امن و اماں
وہی بخشنے والا ہے بے گماں
سہارا ہے سب کے لئے اس کا ہاتھ
مصیبت کے ماروں کا دیتا ہے ساتھ
خطا کار پر بھی وہ ہے مہرباں
وہ نادار کا بھی ہے روزی رساں
شہنشاہ ہے، قدرت ہے اس کی اتھاہ
وہی بادشاہوں کا ہے بادشاہ
بدی کی طرف سے ہٹاتا ہے وہ
اندھیرے میں مشعل دکھاتا ہے وہ

ساقی جاوید

نعت رسولِ مقبول ﷺ

اے نقیبِ قرآنی، اے رسولِ یزدانی
تم ہو زیست کے رہبر، تم حیات کے بانی
چہرۂ مبارکؐ کا جس نے نور دیکھا ہے
اس نے خلد دیکھی ہے اس نے طور دیکھا ہے
تم زمیں پہ کیا آئے بادِ نوبہار آئی
جام لالہ فام آیا بوئے مشک بار آئی
نام میں بھی نکہت ہے یاد میں بھی خوشبو ہے
کیا جمالِ عارض ہے کیا بہارِ گیسو ہے
تم نے ریگ زاروں میں زندگی بکھیری ہے
اک چراغ ہم کو بھی، غم کی رات اندھیری ہے
تم جہاں سے اٹھے تھے، وہ بنائے ہستی ہے
تم جہاں ہو خوابیدہ، زندگی برستی ہے
تم کو یاد کرتی ہے دیدۂ بلالؓ اب تک
راستہ دکھاتا ہے عشقِ بے مثال اب تک
لب پہ نام آتا ہے، روح مسکراتی ہے
زندگی بہاروں میں ڈوب ڈوب جاتی ہے
اے صبا مدینہ کو جارہی ہے، جاں لے جا
کوچۂ محمدؐ تک روحِ تشنگاں لے جا
زخم یاد کرتے ہیں غم سلام کہتا ہے
اے نبیؐ میں آ پہنچا، تشنہ کام کہتا ہے

دلاور حسین فگارؔ

روحانی چمن

کیا حسیں ہے اولیا بابا قلندرؒ کا چمن
جس میں لاکھوں پھول ہیں خوش رنگ و رنگیں پیرہن
ایک عالم، ایک عارف، ایک صوفی، اک ولی
اک قلندر اپنی تنہا ذات سے ایک انجمن
اولیا بابا قلندرؒ وہ عظیم ابدالِ حق
جن سے زندہ ہیں تصوف کی روایاتِ کہن
آپ نے آیاتِ قرآنی پہ وہ مضموں لکھے
کر گئے جو دل کو بحرِ معرفت میں غوطہ زن
آپ نے بتلایا کیا ہے معنیٔ موت و حیات
آپ نے سمجھایا کیا ہے رشتۂ روح و بدن
سچ کہی ہے خواجہ شمس الدین عظیمی نے یہ بات
ہے نظامِ خانقاہی، دافعِ رنج و محن
چشمِ باطن دیکھتی ہے آنے والا ہے وہ دور
عام ہوجائے گا جب دنیا میں باباؒ کا مشن
آسمانی روشنی ذہنوں پہ یوں چھا جائے گی
دفن ہوجائے گی ظلمت اوڑھ کر شب کا کفن
ہے قلندر باباؒ کا سایہ جو اپنے باغ پر
لہلہاتا ہی رہے گا اب یہ روحانی چمن

ضیاء الحق قاسمی

فیضِ عام

قلندر اولیا باباؒ کا فیضِ عام جاری ہے
انہی کا ہم پہ سایہ ہے، یہ خوش بختی ہماری ہے

عظیمی سلسلہ دنیا کے ہر گوشے میں پھیلا ہے
انہیں بھی فیض ملتا ہے کہ دامن جن کا میلا ہے

یقیناً ایک عالم نے یہاں سے فیض پایا ہے
جو خالی ہاتھ جا پہنچا وہ جھولی بھر کے لایا ہے

کراماتِ عظیمی کا ہے شہرہ جس طرف جاؤ
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں! چلے آؤ

یہ انسانوں کو دیتے ہیں سبق اوروں سے الفت کا
رفاقت کا، عقیدت کا، مروت کا، محبت کا

قلندر اولیا باباؒ کا فیضِ عام جاری ہے
انہی کا ہم پہ سایہ ہے، یہ خوش بختی ہماری ہے

کُن ★ ★ ★ فیکون

جس وقت اللہ تعالیٰ نے لفظ کُن کہا تو ازل سے ابد تک جو کچھ جس طرح اور جس ترتیب کے ساتھ وقوع میں آنا تھا، آ گیا۔ ازل سے ابد تک ہر ذرّہ، اس کی تمام حرکات و سکنات موجود ہوگئیں۔ کسی زمانہ میں بھی انہی حرکات کا مظاہرہ ممکن ہے کیوں کہ کوئی غیر موجود، موجود نہیں ہوسکتا۔ یعنی کائنات میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہوسکتی جو پہلے سے وجود نہ رکھتی ہو۔

انسان جب کسی زاویہ کو صحیح طور پر سمجھنا چاہتا ہے تو اس کی حیثیت غیر جانب دار یا عدالت کی ہوتی ہے اور وہ بحیثیت عدالت کبھی فریق نہیں ہوتا۔ عدالت کو مدعی اور مدعا علیہ کے معاملات کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے عدالت ہی کا طرزِ ذہن استعمال کرنا ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک طرزِ ذہن فریق کا ہے اور ایک طرزِ ذہن عدالت کا ہے۔

ہر شخص کو طرزِ فکر کے دو زاویے حاصل ہیں۔ ایک زاویہ بحیثیت اہلِ معاملہ اور دوسرا زاویہ بحیثیت غیر جانب دار۔ جب انسان بحیثیت غیر جانب دار تجسس کرتا ہے تو اس پر حقائق منکشف ہوجاتے ہیں۔ تجسس کی یہ صلاحیت ہر فرد کو ودیعت کی گئی ہے تاکہ دنیا کا کوئی طبقہ معاملات کی تفہیم اور صحیح فیصلوں سے محروم نہ رہ جائے۔

انسان کسی غیر جانب دار زاویہ سے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے تو قانونِ لوحِ محفوظ کے تحت انسانی شعور، لاشعور اور تحتِ لاشعور کا انطباعیہ* نقش معلوم کرنے میں

---

* انطباعیہ (کسی چیز کا معنی و مفہوم اور تصویر ذہن میں آنا)

کامیاب ہو جاتا ہے۔ انطباع وہ نقش ہے جو بصورتِ حکم اور بشکلِ تمثال* لوحِ محفوظ (سطحِ کلیات) پر کندہ ہے۔ اس ہی کی تعمیل من و عن اپنے وقت پر ظہور میں آتی ہے۔

شعور کا یہ قانون ہے کہ اس دنیا میں انسان جتنا ہوش سنبھالتا جاتا ہے، اتنا ہی اپنے ماحول کی چیزوں میں انہماک پیدا کرتا جاتا ہے۔ اس کے ذہن میں ماحول کی تمام چیزیں اپنی اپنی تعریف اور نوعیت کے ساتھ اس طرح محفوظ رہتی ہیں کہ جب اسے ان چیزوں میں سے کسی چیز کی ضرورت پیش آتی ہے تو بہت آسانی سے اپنی مفید مطلب چیز تلاش کر لیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی شعور میں ترتیب کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں کے استعمال کی چیزیں اور حرکات موجود رہتی ہیں۔ گویا ماحول کا ہجوم انسانی ذہن میں پیوست ہے۔ ذہن کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ شعور کی حد سے نکل کر لاشعور کی حد میں قدم رکھ سکے۔

یہاں ایک اصول وضع ہوتا ہے کہ جب انسان یہ چاہے کہ میرا ذہن لاشعور کی حدوں میں داخل ہو جائے تو اس ہجوم کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرے۔ انسانی ذہن ماحول سے آزادی حاصل کر لینے کے بعد، شعور کی دنیا سے ہٹ کر لاشعور کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔

ذہن کے اس عمل کا نام استغنا ہے۔ یہ استغنا اللہ تعالیٰ کی صفتِ صمدیت کا عکس ہے جس کو عرفِ عام میں انخلائے ذہنی* کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کی مشق کرنا چاہے تو اس کے لئے کتنے ہی ذرائع اور طریقے ایسے موجود ہیں جو مذہبی فرائض کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان فرائض کو ادا کر کے انسان خالی الذہن ہونے کی مہارت حاصل کر سکتا ہے۔

---

* تمثال (کسی چیز کو مثال کے ذریعے ٹکڑوں میں بیان کرنا)

* انخلائے ذہنی (ذہن کا illusion خیالات سے خالی ہونا)

سلوک کی راہوں میں جتنے اسباق پڑھائے جاتے ہیں، ان سب کا مقصد بھی انسان کو خالی الذہن بنانا ہے۔ وہ کسی وقت بھی ارادہ کر کے خالی الذہن ہونے کا مراقبہ* کر سکتا ہے۔ مراقبہ ایک ایسے تصور کا نام ہے جو آنکھیں بند کر کے کیا جاتا ہے۔ مثلاً انسان جب اپنی فنا کا مراقبہ کرنا چاہے تو یہ تصور کرے گا کہ میری زندگی کے تمام آثار فنا ہو چکے ہیں اور اب میں ایک نقطۂ روشنی کی صورت میں موجود ہوں۔ یعنی آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرے کہ اب میں اپنی ذات کی دنیا سے بالکل آزاد ہوں۔ صرف اُس دنیا سے میرا تعلق باقی ہے جس کے احاطہ میں ازل سے ابد تک کی تمام سرگرمیاں موجود ہیں۔ چنانچہ کوئی انسان جتنی مشق کرتا جاتا ہے، اتنی ہی لوحِ محفوظ کی اِنطباعیت اس کے ذہن پر منکشف ہوتی جاتی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ غیب کے نقوش اس اس طرح واقع ہیں اور ان نقوش کا مفہوم اس کے شعور میں منتقل ہونے لگتا ہے۔ انطباعیت کا مطالعہ کرنے کے لئے صرف چند روزہ مراقبہ کافی ہے۔

• • ———————— • •

"جُو" * تصوف کی زبان میں موجودات کا ایسا مجموعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے خدوخال پر مشتمل ہے۔ "جُو" لوحِ دوئم کہلاتی ہے اس لئے کہ وہ لوحِ اول یعنی لوحِ محفوظ کے متن کی تفصیل ہے۔

لوحِ محفوظ کائنات کی تخلیق سے متعلق اللہ تعالیٰ کے احکامات کا مجموعۂ تصاویر ہے۔ کائنات کے اندر جو بھی حرکت واقع ہونے والی ہے، اس کی تصویر من و عن لوحِ محفوظ پر نقش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ کا اختیار عطا کیا ہے۔ جب انسانی ارادوں کی

---

* مراقبہ (Concentration) * جُو (روحانیت کی ایک اصطلاح ہے۔ اس میں وہ حقائق بیان کئے جاتے ہیں جو تخلیق سے متعلق ہیں۔)

تصاویر لوحِ محفوظ کی تصاویر میں شامل ہو جاتی ہیں، اس وقت لوحِ اول، لوحِ دوئم کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس ہی لوحِ دوئم کو صوفیا اپنی زبان میں "جُو" کہتے ہیں یعنی لوحِ محفوظ پہلا عالمِ تمثال ہے اور جُو دوسرا عالمِ تمثال ہے جس میں انسانی ارادے بھی شامل ہیں۔

پہلے اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف بیان کرنا ضروری ہے جو قرآن پاک میں کی گئی ہے:

قل ھواللہ احد ○ اللہ الصمد ○ لم یلد و لم یولد ○ ولم یکن لہ کفوا احد ○

— ترجمہ —

اے پیغمبرؐ! کہہ دیجئے اللہ ایک ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ کسی نے اس کو جنا نہ اس نے کسی کو جنا۔ اور نہ اس کا کوئی خاندان ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان ہوئی ہیں۔ پہلی صفت وحدت یعنی وہ کثرت نہیں۔ دوسری صفت بے نیازی یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں۔ تیسری صفت یہ کہ وہ کسی کا باپ نہیں۔ چوتھی صفت یہ کہ وہ کسی کا بیٹا نہیں۔ پانچویں صفت یہ کہ اس کا کوئی خاندان نہیں۔

یہ تعریف خالق کی ہے اور خالق کی جو بھی تعریف ہو گی، مخلوق کی تعریف کے برعکس ہو گی۔ یا مخلوق کی جو بھی تعریف ہو گی، خالق کی تعریف کے برعکس ہو گی۔ اگر ہم خالق کی تعریفاتی حدوں کو چھوڑ کر مخلوق کی تعریف بیان کریں تو اِس طرح کہیں گے کہ خالق وحدت ہے تو مخلوق کثرت ہے۔ خالق بے نیاز ہے تو مخلوق محتاج ہے۔ خالق باپ نہیں رکھتا تو مخلوق باپ رکھتی ہے۔ خالق کا کوئی بیٹا نہیں لیکن مخلوق کا بیٹا ہوتا ہے۔ خالق کا کوئی خاندان نہیں لیکن مخلوق کا خاندان ہونا ضروری ہے۔

فقیر کی ڈاک

تفکر ـــــ ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ تفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی ـــــ عرفانِ نفس اور معرفتِ الٰہی ہے۔ "فقیر کی ڈاک" اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب شعور کے تانے بانے کو لاشعور سے جوڑ دیتے ہیں۔

محترم عظیمی صاحب ـــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

بعض حضرات چہرہ دیکھ کر لوگوں کی خصوصیات معلوم کر لیتے ہیں اور ایسے واقعات و حقائق کا انکشاف کرتے ہیں جو پسِ پردہ ہوتے ہیں۔ یہ صلاحیت کیا ہے اور کس طرح کام کرتی ہے ؟

صباحت خورشید (اسکاٹ لینڈ)

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

بڑے فرماتے ہیں کہ آدمی کا چہرہ اس کا انڈیکس ہے۔

دماغ کے پردے پر شے کا ہیولا الٹا بنتا ہے۔ قانون یہ ہے کہ ایک منظر 15 سیکنڈ تک دماغ کی اسکرین پر قائم رہتا ہے اور اس وقفے میں اس ایک منظر سے متعلق تمام تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔ آنکھ سے منتقل ہو کر روشنی جہاں پڑتی ہے، وہاں layers (لیئرز) ہوتی ہیں۔ پہلی لیئر[1] کے عکس میں رنگ ہوتا ہے۔ دوسری لیئر[2] کے عکس میں تفصیل ہوتی ہے اور تیسری لیئر[3] کے عکس میں ماضی سے متعلق حوادث و واقعات ہوتے ہیں۔ وہ روشنیاں جو آنکھ کے ذریعے دماغ پر منتقل ہوتی ہیں، وہ ان تمام مناظر کو مائیکرو فلم سے اٹھا کر enlarge کرتی ہیں جس سے دیکھنے والے کی آنکھیں ہر چیز کو تفصیل سے دیکھتی ہیں۔ جس قدر ارتکاز ہوتا ہے، اتنی تصویریں بڑی اور واضح نظر آتی ہیں۔ ان تصویروں میں ایک ترتیب ہوتی ہے۔

جب ذہن یکسو ہو کر ترتیب دیکھتا ہے تو عام واقعات اور حوادث کو الگ الگ کر لیتا ہے۔

حوادث جو ماضی میں ہو چکے ہیں، الگ مرتب ہوتے ہیں اور ان کا تعلق دیکھنے والے کی فراست سے ہے۔ وہ چہرے سے اندازہ کر لیتا ہے کہ یہ ماضی ہے یا مستقبل۔ تصور ماضی کی بڑی بڑی تصویروں کو بھی بہت چھوٹا پیش کرتا ہے اس لئے حواس تصویروں کو جداگانہ ورق پر منتقل کر دیتے ہیں۔ ان میں اہم واقعات بہت چھوٹی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض چہرہ شناس لوگ چند واقعات صحیح بتا دیتے ہیں۔ وہ اس علم کو عام طور پر پامسٹری، جوتش، رمل اور جفر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔

کچھ لوگ ہاتھوں کی لکیروں سے اندازہ لگاتے ہیں لیکن ہاتھوں کی لکیروں سے اندازہ لگانا بھی چہرے کی لیئرز سے تعلق رکھتا ہے۔ رمل والے عام طور پر پانسے پھینکتے ہیں اور اس گہرائی میں جانے کی کوشش کرتے ہیں جو ان لیئرز میں ہے۔ یہی کوششیں جوتشیوں کی بھی ہوتی ہیں جو اس کو ستاروں سے وابستہ کرتے ہیں۔ جفر والوں کا علم بھی یہی ہے۔

Layers کا ماضی اور مستقبل سے ارتباط ہے۔ جب سننے، دیکھنے اور سوچنے کی حسیات یکساں ہو جاتی ہیں تو لیئرز سرخ رنگ کے نقوش میں نمودار ہوتی ہیں۔ یہ نقوش بہت مختصر ہوتے ہیں۔ حواس یکجا ہو کر انہیں اِن لارج کرتے ہیں۔ ان میں بہت سے واقعات عامیانہ ہوتے ہیں، بہت سے حالات روزمرہ زندگی سے مربوط اور بہت سے حوادث ہوتے ہیں۔ حوادث پر توجہ مرکوز کرنا، ان کو تصویروں میں پیش کرنا ہے جن کو دیکھنے والا مستقبل کے حالات و واقعات کا اندازہ کر لیتا ہے۔ دراصل یہ ایک طرح کا مطالعہ ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ فہم و فراست رکھنے والے حضرات کا نتیجہ بھی 80 فی صد سے زیادہ درست نہیں ہوتا۔ ان تصویروں سے 100 فی صد درست نتیجہ صرف اہلِ شہود نکال سکتے ہیں۔

"شہود" روحانیت میں ایک اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی بندے کے اندر یہ صفت بیدار ہو جاتی ہے کہ اس کا شعور اور لاشعور متوازی ہو جاتے ہیں۔ کتاب "خواب اور تعبیر" میں لاشعور کے مطالعے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ گہرے تفکر کے ساتھ مطالعہ کریں۔ انشاءاللہ بات سمجھ میں آجائے گی۔

دعاگو، عظیمی

نامے میرے نام

"ماہنامہ قلندر شعور" نے قارئین خواتین و حضرات کو رسالے کے پلیٹ فارم سے تفکر کی دعوت دی ہے۔ رابطے کے قدیم و جدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔ ادارہ "ماہنامہ قلندر شعور" کا قارئین کے تفکر سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

نومبر 2022ء کے "آج کی بات" پر موصول تفکر نامے میں سے منتخب خطوط:

- مہرین ذوالفقار (نیویارک): بچہ دنیا میں آتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی پیدا ہوا ہے۔ ہمارے ذہن میں دوسرے عالمین کا تصور نہیں، ہم اس دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں جب کہ بچے کا سفر عالمِ ارواح سے شروع ہوتا ہے اور کئی دنیاؤں سے گزر کر وہ مٹی کی دنیا میں آتا ہے۔ کائنات میں بچہ اس وقت پیدا ہوا جب اللہ نے کُن فرمایا، ایک دنیا سے دوسری دنیا میں منتقلی دراصل لباس کی تبدیلی ہے۔

- طاہر محمود (کراچی): نومبر 2022ء کے اداریے میں طرزِ فکر کی تشکیل اور اس کی منتقلی کا قانون بیان ہوا ہے۔ کائنات کا نظام لہروں پر قائم ہے۔ روزِ ازل میں خالقِ کائنات کی آواز مخلوق کی سماعت میں داخل ہوئی تو آواز کی لہروں سے مخلوق کے حواس بیدار ہوئے اور اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ ہر بچہ اللہ کو پہچاننے کی صلاحیت کے ساتھ عالمِ ناسوت میں آتا ہے۔ بچہ ماحول کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ اگر ماحول میں حقیقت شناسی کی طرزیں ہیں تو عالمِ ناسوت میں رہتے ہوئے بھی اللہ کا قرب تلاش کرتا ہے۔ پہچان کی صلاحیت لہروں کے ذریعے علمِ حضوری کو حافظے میں نمایاں کرتی ہے۔ اس کے برعکس ماحول میسر ہو تو بچہ رگِ جاں سے قریب اللہ کو دور سمجھتا ہے اور شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

- خاور علی (برمنگھم): بچے کا ذہن روزِ ازل کے شعور پر قائم ہوتا ہے۔ جب اسے لاشعور سے مختلف ماحول ملتا ہے تو روزِ ازل کے شعور سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ ان آوازوں پر کان لگالیتا ہے جو فکشن کی عکاسی کرتی ہیں اور بچے کے ذہن میں فکشن تصویریں بننا شروع ہو جاتی ہیں۔

◆ عنبرین جاوید (کوئٹہ): تخلیق رنگوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ ہر دنیا میں رنگ موجود ہیں۔ اگر ہمارے ذہن میں تغیر ہے تو رنگ ہمیں گہرے نظر آتے ہیں اور ذہن تغیر سے دور ہے تو رنگ ہلکے نظر آتے ہیں۔ اللہ نے رنگ کو جس حالت میں تخلیق کیا ہے، وہ رنگ اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ یہ ذہن ہے جو رنگوں کو ہلکا اور گہرا سمجھ رہا ہے۔

◆ ہاشم سلطان (قطر): آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ روشنی کسی نہ کسی رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ رنگ دوری ہے۔ دونوں نکات پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہر نظر آنے والا مظہر اصل سے دوری ہے۔ ذہن اس سوال پر رک گیا ہے کہ روشنی اگر رنگ میں ظاہر نہیں ہوگی تو نظر کیسے آئے گی؟ نیز دوری حذف کر کے روشنی دیکھنے کا طریقہ کیا ہے؟

◆ زونیرہ (میر پور): لاشعور میں رنگ نہ ہوں تو شعور میں ان کا مظاہرہ نہیں ہوگا۔ لاشعور میں توجہ روشنی پر مرکوز ہوتی ہے کیوں کہ وہاں روشنی کی مختلف لہروں کے درمیان خلا بہت کم ہے۔ شعور میں آنے سے خلا بڑھ جاتا ہے اس لئے روشنی چھپ جاتی ہے اور رنگ نظر آتے ہیں۔

◆ شفقت حسین (کراچی): نومبر 2022ء کے "آج کی بات" کے پہلے صفحے پر تیسرے پیراگراف کو بار بار پڑھا اور غور کیا۔ خیال آیا کہ جس عالم میں کششِ ثقل مغلوب ہے، وہاں آدمی روشنی کو دیکھتا اور استفادہ کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کششِ ثقل درحقیقت کیا ہے جس کے غالب اور مغلوب ہونے سے مشاہدے کا پیٹرن اتنا تبدیل ہو جاتا ہے؟

◆ ثوبان احمد (چیچہ وطنی): "آج کی بات" کا حاصل یہ ہے کہ یہ لہروں کی دنیا ہے۔ روشنی، رنگ، تصویر، الفاظ اور آواز لہروں کا لباس ہیں۔ لہریں ان کے پردے میں چھپ گئی ہیں۔

◆ دردانہ پرویز (کراچی): آپ نے بہت آسان الفاظ میں اور تصویر کی مدد سے حواس کی تقسیم اور حواس کے ایک نقطۂ ذہنی میں ہونے کو بیان کیا ہے۔ لہروں کے نظام سے واقفیت کا طریقہ آخری صفحے پر ہے اور یہ طرزِ فکر کا حصول ہے۔ یہ وہ علم ہے جو منتقل ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر لہروں کا علم ایک ذہن سے دوسرے ذہن میں لہروں کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔

نومبر 2022ء کے مضامین پر قارئین کی آرا اور تبصرے:

◆ نور الہدیٰ (ابوظہبی): نومبر 2022ء کے شمارے کی بہترین تحریر "اور تنور ابل پڑا" ہے۔ مضمون نگار نے عمدہ تفکر پیش کیا ہے کہ تنور کسی ساخت یا شے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک نظام ہے۔ تنور کا میکانزم زمین کے اندر پانی، زمین کی پلیٹیں، طوفانِ نوحؑ اور یہ الفاظ کہ وہ پوری طرح ابل پڑیں، بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ زمین دو حصوں میں آباد ہے — پانی اور خشکی — دونوں اپنی اپنی اسپیس میں رہتے ہیں مگر جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو خشکی اور پانی کے اشتراک سے وہ میکانزم عمل میں آتا ہے جسے طوفان یا عظیم طوفان کہتے ہیں۔

◆ باسط محمود (کراچی): "ن چ رھ ک" ہلکی پھلکی تحریر ہے۔ "ماہنامہ قلندر شعور" کی ایک بات مجھے بہت پسند ہے کہ ہر مضمون میں تفکر کی غذا کے لئے بہت کچھ یا کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ ظرافت میں بھی مقصدیت ہوتی ہے۔ دیگ سے خوش بو باہر کیوں نہیں آئی، دیگ کب پکی اور بارش میں جب آگ بجھ چکی تھی، دیگ کیسے تیار ہوئی، ان سوالوں پر تفکر سے سمجھ میں آیا کہ اس کرامت میں وہ قانون استعمال ہوا ہے جو قلندر باباؒ کی بارش والی کرامت میں ہے۔ ایک مرتبہ قلندر بابا اولیاؒ رات کو بارش میں گھر آئے، کوٹ بارش کی بوندوں سے محفوظ تھا۔ شاگرد کے استفسار پر انہوں نے فرمایا تھا کہ ٹائم اور اسپیس محض مفروضہ ہے۔

◆ دانش صدیق (لاہور): "جیتا جاگتا غبارہ" عالمانہ تحریر ہے۔ بلبلہ بھی خمیر کا ایک روپ ہے۔ ہم جس بلبلے میں رہ رہے ہیں، اس کا نام زمین ہے۔

◆ مہر بانو رفیق (لاہور): نومبر 2022ء کے سرورق پر طوفانِ نوحؑ کی منظر کشی دیکھ کر دل دہل گیا۔ زمین پر کوئی جگہ باقی نہیں بچی جو پانی میں نہ ڈوبی ہو۔ طوفانی بارش، بجلی اور زمین کے چشموں کا ابلنا دل دہلا دینے والا منظر ہے۔ میں نے عموماً بارش کے قطروں کو ترچھے رخ میں زمین کی طرف آتے دیکھا ہے جب کہ سرورق میں ان کا رخ سیدھ میں ہے۔ لاشعور نے راہ نمائی کی کہ ترچھے رخ میں بارش ہونے سے زمان و مکان اور رفتار میں فرق آجاتا ہے جب کہ سیدھ میں ہونے والی بارش کی رفتار تیز اور قوت زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

◆ شمع خاتون (ساہیوال): "آج کی بات" کتابی صورت میں شائع ہونے کا انتظار ہے۔ امید ہے کہ جنوری 2023ء میں عرس کے موقع پر یہ کتاب ہمارے ہاتھ میں ہوگی، انشاءاللہ۔

◆ مامون قاضی (حیدرآباد): میرا پسندیدہ کالم "پیراسائیکالوجی" ہے۔ اس میں بتائے گئے علاج میں ڈائری میں نوٹ کر کے ان پر غور کرتا ہوں۔ علاج پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ کائنات میں کسی بھی چیز سے کسی بھی مرض کا علاج ہو سکتا ہے۔ ہر شے میں تاثیر ہے۔

◆ زرینہ اشفاق (کراچی): غور کیا کہ بادلوں میں پانی کہاں سے آتا ہے اور زمین میں جذب ہو کر کہاں چلا جاتا ہے۔ اللہ ہواؤں کو رحمت بنا کر بھیجتا ہے اور بادلوں سے پانی برساتا ہے۔ ہمیں نظر آتا ہے کہ پانی بادلوں سے آتا ہے جب کہ پانی اس مقام سے آتا ہے جسے ہم لاشعور کہتے ہیں۔ یہ زمین میں جذب ہو کر مردہ بستی کو زندگی عطا کرتا ہے۔ جہاں گرتا ہے، وہاں رنگ رنگ ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے آم، نارنگی، انار، بادام، انجیر، پہاڑ، پھول، جانور، آدمی وغیرہ ___ ہر جگہ پانی کی کارفرمائی ہے۔

◆ راحیل سکندر (ٹیکسلا): سرورق کی تشریح منفرد سلسلہ ہے۔ صرف "ماہنامہ قلندر شعور" میں ہی دیکھا ہے کہ قارئین کو سرورق پر تفکر کی دعوت دی جاتی ہے۔ بلاشبہ رسالے کے سرورق باطنی علوم کے قوانین کی تصویری شکل ہیں۔ سرورق کون بناتا ہے اور مکمل بینا کون ہیں ___؟ انہوں نے سرورق کی تشریح کو نیا رنگ دیا ہے۔ یہ اپنی جگہ ایک مضمون ہے۔

◆ فوزیہ جلال (کراچی): "ہر دوا کا وجود مٹی ہے" معلوماتی اور دلچسپ تحریر ہے۔ مٹی پر ننگے پیر چلنے کی میں قائل ہوں، راحت ملتی ہے، غصہ کنٹرول میں رہتا ہے اور زمین سے اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ کنہیالال کپور کا "اگر ضعفِ جگر ہے کھا پپیتا" باذوق مزاح ہے ___ مضامین میں خط کشیدہ جملے اور حاشیے میں مشکل الفاظ کی وضاحت مضمون کو بآسانی سمجھنے کے لئے ادارہ کا قارئین کے ساتھ تعاون ہے۔

★ ___ ★ ___ ★

آپ کا ہردلعزیز رسالہ "ماہنامہ قلندر شعور" آن لائن مطالعے کے لئے دستیاب ہے۔ "ماہنامہ قلندر شعور" کے ڈیجیٹل ایڈیشن کی سبسکرپشن کے لئے ویب سائٹ پر موجود فارم پُر کیجئے۔ ہمارا ویب ایڈریس یہ ہے،
https://qalandarshaoormonthly.online/

زیر سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری

برائے خواتین

روحانی علوم کے متلاشی خواتین و حضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور ــــــ روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طالبات و طلبہ کے لئے عظیمی صاحب کی کُتب اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

پروفیسر شیخ فقیر محمد

زندگی میری فقط اک جرأتِ رندانہ ہے

نام مبارک ــ حسن اخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف حضور قلندر بابا اولیاؒ ہے۔

خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی بارگاہِ اقدس سے "حسن اخریٰ" کا خطاب بطریقِ اویسیہ عطا ہوا۔

بارگاہِ رسولؐ میں ان مقدس کلمات سے مخاطب فرمائے جاتے ہیں۔

پیدائش کے بعد نام محمد عظیم رکھا گیا۔ نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں۔ خاندانی سلسلہ حضرت امام حسن عسکریؑ سے ملتا ہے۔ تخلص برخیاؔ ہے۔ مرتبۂ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ ارضی و سماوی اور حاملانِ عرش میں "قلندر بابا اولیا" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہی عرفیت عامۃ الناس میں زبان زدِ عام ہے۔

حاملِ علم لدنّی حضور قلندر بابا اولیاؒ ــ 1898ء میں قصبہ خورجہ، ضلع بلند شہر، یو۔پی (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران درویشی کی جانب میلان بڑھا۔ اپنے نانا شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدین ناگپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بابا تاج الدین ناگپوریؒ نے اس دوران روحانی تربیت فرمائی۔ حضور قلندر باباؒ نے اہلِ خانہ کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی۔ یہاں حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ نے قطب ارشاد کی تعلیمات پوری کر کے خلافت عطا فرمائی۔ پھر شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی روح پُرفتوح نے انہیں علمِ حضوری کی تعلیم شروع کی۔ یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ خاتم النبیین حضرت محمدؐ نے براہِ راست علمِ لدنّی عطا فرمایا اور حضور پاکؐ کی ہمت اور نسبت کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں حاضری ہوئی اور اسرار و رموز کا علم عطا ہوا۔ (ادارہ)

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

ترجمہ: زندگی مدتوں کعبہ اور بت خانے میں روتی ہے تب جاکر عشق کی بزم سے ایک دانائے راز باہر آتا ہے۔ (حضرت علامہ اقبالؒ)

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کی ظاہری و معنوی زندگی فیضانِ الٰہی کا بیش بہا سرمایہ ہے۔ قلب و ذہن اجازت نہیں دیتے کہ آپ کا ذکرِ مسعود زمانہ ماضی میں کیا جائے یعنی سرمایہ ہے کی جگہ سرمایہ تھی لکھا جائے۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ کا وجود زندگی کی بے چین فریاد کی تسکین ہے جسے کائنات کی بزمِ عشق سے دانائے راز کی صورت میں قدرت نے ایک معنی خیز آب و گِل کے سانچے میں ڈھالا تھا۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ نے خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے حکم سے کتاب "لوح و قلم" تصنیف فرمائی جو اسرار و رموز کا خزینہ ہے۔

انہوں نے اسرار و رموز بیان کرکے عقل و خرد کے لئے سامانِ فکر و نظر مہیا کیا۔ جو کچھ فرمایا، لکھوایا، تلقین فرمائی — اس کا تخاطب براہِ راست ذہنِ انسانی ہے۔

بابا صاحبؒ کی زبان و قلم سے نکلے ہوئے ملفوظات، سخن فہمی کی ہر صنف میں یکساں موجود ہیں اور جو نثر شعر و اشعار بن کر سرِ محفل دھیمے لہجے میں پند و نصائح* یا بذلہ سنجی* سمیت ہلکے پھلکے متبسم اندازِ تکلم میں پیش کئے جاتے رہے — وہ اپنے اندر معنوی نکات کا بیش بہا خزانہ لئے ہوئے ہیں جنہیں سنتے تو تمام حاضرینِ مجلس تھے یا پڑھنے والے پڑھتے تھے مگر ان کا ادراک و فہم آفرینی ان کو میسر آئی جن کا ذہن حضور قلندر بابا اولیاؒ کے قربِ ذہنی سے ہم آہنگ ہوتا تھا۔

حضور بابا صاحبؒ نے ایک مرتبہ واشگاف انداز میں فرمایا،

> "ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ ہم ذہن پڑھتے ہیں، الفاظ اور ان کے معانی ہمارے سامنے نہیں ہوتے۔ مرشد کریم نے ہمیں خلافت یونہی نہیں دے دی تھی۔"

قارئین! آپ بھی بابا صاحبؒ کے ماورائی لہجے میں کہے گئے ارشاد "ہم ذہن پڑھتے ہیں" کو بار بار پڑھیں گے تو آپ کے ذہن کی گرہیں ایک ایک کرکے کھلتی جائیں گی اور اگر آپ اس

* پند و نصائح (نصیحت) * بذلہ سنجی (خوش طبعی)

قولِ فیصل* کی گہرائیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو آپ کا ذہن حضور قلندر بابا اولیاؒ کے ذہن مبارک کے زیر سایہ، دوسروں کا ذہن پڑھنے کی صلاحیت حاصل کر لے گا۔

حضور قلندر باباؒ کی طرزِ تفہیم کا وصف یہ تھا کہ کسی واقعہ، تمثیل، لطیفہ، شعر وغیرہ بیان کرنے میں صرف کلیدی کلمات استعمال کرتے تھے۔ طولِ بیان اور تشریح و توضیح کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ توقع کرتے تھے کہ اس گورکھ دھندے میں سامعین بھی مبتلا نہ ہوں اور براہِ راست الفاظ کی روح کو اپنے فہم میں داخل کر لیں اور قدرت کی کرم نوازی دیکھیں۔

اسے عمرِ خضر سے کیا غرض
جسے اک نظر میں وہ مل گیا
وہی لمحہ بھر کی تھی جستجو
جو ہزار سال کی بات ہے

باباصاحبؒ اکثر و بیشتر عمومی افہام و تفہیم کے لئے اپنے ساتھ یا اپنے سامنے والے کے واقعات کو بنیاد بنا کر کسی خیال یا نکتے کو بیان فرماتے تھے۔

اس حقیقت بیانی اور صداقتِ نظریہ و خیال کے متعلق کوئی ابہام یا عدم صداقت کا شائبہ نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً نمود و تفاخر کو زندگی سے ملوث نہ کرنے کا عہد اس واقعہ کے ضمن میں پیش آیا جب ایک دفعہ بمبئی کے ایک سیٹھ نے شہنشاہ ہفت اقلیم بابا تاج الدینؒ کو کمخواب کا قیمتی لباس از راہِ عقیدت پیش کیا۔

باباصاحبؒ فرماتے ہیں کہ نانا تاج الدینؒ نے سیٹھ کے سامنے اس لباس کو پہن لیا اور کچھ دیر تک اس کی دلجمعی کے لئے جھونپڑی میں ٹہلتے رہے۔ سیٹھ کے جانے کے بعد جھونپڑی کی کچی زمین کی گیلی مٹی کو جو کیچڑ بن گئی تھی، ہاتھ میں لے کر قیمتی لباس پر جگہ جگہ ملنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے کہ کیا میں اس کپڑے کی خاطر اپنی زندگی خرچ (ضائع) کر دوں۔

یہ قلندر باباؒ کے بچپن کا واقعہ ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس دن سے میری نظر میں قیمتی اشیا کی حیثیت ختم ہو گئی۔

اسی نشست میں حضور قلندر باباؒ نے اپنے ناناؒ

* قولِ فیصل (فیصلہ کن بات)

کے جلال کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے پُراسرار کلمات کو یوں بیان کیا،

''کیا ہم نے جیلیں یوں ہی بنائی ہیں۔''

یعنی ان میں لوگ تو آئیں گے۔

اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان لمحات میں ماضی، حال اور مستقبل کا کون سا منظر پیشِ نظر تھا جس نے اس خوفناک وعید کی صورت میں بابا تاج الدینؒ کے پاک و شفاف ذہن کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ حضور قلندر باباؒ نے یہ نہیں بیان کیا اور نہ کسی کو اس مجلس میں یہ سوال کرنے کی جرأت ہوئی کہ نانا تاج الدینؒ نے ایسے جلالی کلمات کس واقعاتی پس منظر میں کہے تھے۔

اس دو طرفہ خاموشی سے افہام و تفہیم کا یہ پہلو نکلتا ہے کہ اگر توضیح کی ضرورت ہوتی تو بابا صاحبؒ استفسار کا انتظار کئے بغیر خود بتلا دیتے۔

دوسرا پہلو یہ سامنے آتا ہے اور یہی زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ بیان کرتے وقت قلندر باباؒ نے خود اپنے ذہن میں اس واقعہ کی تمثیل کو باطن میں بالالتزام* دیکھا اور ان پر وہی کیفیت طاری ہوئی جو بچپن میں واقع ہوئی تھی۔

ایک نشست میں سود کے متعلق ذکر ہوا۔ حضور قلندر باباؒ نے فرمایا،

''خاتم النبیین حضرت محمدؐ دنیا کے عظیم ترین اور کامل ترین انسان ہیں۔ انہوں نے سود کو حرام قرار دیا۔ دنیا کی ساری برائی سود کی وجہ سے ہے۔ اگر سود کا خاتمہ نہ ہوا تو دنیا خراب و ختم ہو جائے گی۔ بہترین عمل سود سے اجتناب ہے۔''

ابدالِ حق نے توبہ کے متعلق استفسار پر یہ بیش بہا باتیں فرمائیں۔

''انسان فطرتاً اپنی پیدائش ہی سے کچھ اچھے، کچھ برے اعمال کا تصور لے کر آتا ہے۔ اچھے عمل پر کاربند رہنے سے اس کے دل کو اطمینان رہتا ہے اور اپنی عقیدت کے تحت برے عمل سے بچتا رہتا ہے۔ اگر کوئی کام سہواً سرزد ہو جائے تو دل میں کسک محسوس کرتا ہے، پچھتاتا ہے اور اس سے توبہ کرتا ہے کہ یہ نادانستہ غلطی ہوگئی۔ اور توبہ مقبول ہو جاتی ہے تو یہ اللہ کو پسند ہے مگر جب کسی گناہ کو قصداً کیا جائے تو جب تک اس گناہ یا برے کام سے بچنے کا حتمی اقرار نہ کیا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے تو توبہ قبول نہیں ہوتی۔''

---

* بالالتزام (لازمی طور سے)

باباصاحبؒ کے مزاج میں شگفتگی اور بذلہ سنجی کی کمی نہ تھی۔ بعض دفعہ ایسے اشعار بھی بے تکلف سنا جاتے تھے کہ حاضرینِ محفل حدِ ادب میں رہتے ہوئے داد دیتے تھے اور باباصاحبؒ جواباً صرف زیرِلب مسکراتے تھے۔ ان اشعار کو موقع محل کی مناسبت سے پیش کرنا تہذیب و اخلاق کے عملی درس کا درجہ رکھتا ہے اور مزاج کی بندش کے خلاف عدم پسندیدگی کا اظہار بھی۔

قارئین! آپ بھی اس ضمن میں پیش کئے گئے (ذاتی کلام سے ہٹ کر) چند شگفتہ و شستہ اشعار سے لطف اندوز ہوں۔

جام ہے توبہ شکن، توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا

اس نے دیوانہ سمجھ کر نہ کیا مجھ سے حجاب
چاک ہوکر تو بڑے کام گریباں آیا

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آیا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

ہماری روزمرہ زندگی میں دو امور بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

① خواہش یا ارادہ کی تکمیل۔

② نا مساعد حالات سے کامیابی سے گزرنے کے لئے صبر و استقلال کا فقدان۔

ہم بسا اوقات ذکر و شمار سے کام لے کر تسبیح کے دانوں کی طرح ارادے، خواہش یا دعا کو دہراتے رہتے ہیں مگر نتیجہ عموماً صفر رہتا ہے۔

ارادے کی تکمیل کے سلسلے میں حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں:

"ارادہ کی تکرار ارادہ کی قوت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ارادہ سوا لاکھ بار ہی دہرایا جائے لیکن ارادہ میں اتنی قوت ہونی چاہئے جو سوا لاکھ بار دہرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر وہ قوت موجود ہے تو ایک حرکت کافی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے، اور زیادہ تر اس زمانہ میں 999 فی ہزار ایسا ہی ہوتا ہے کہ سوا لاکھ دہرایا ہوا ارادہ بھی ایک بار کی قوت سے آگے نہیں بڑھتا۔ دراصل ارادہ دہرایا ہی نہیں جاتا کیوں کہ جن الفاظ کے ذریعے ارادے کو دہرانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ الفاظ دہرانے والے انسان کے ذہن میں اپنی کوئی تصویر یعنی معنی کے خدوخال پیدا نہیں کرتے۔ ارادہ دراصل کوئی شکل و صورت رکھتا ہے۔ جس مطلب کا ارادہ ہو، مطلب اپنی پوری شکل و صورت کے ساتھ ارادہ میں مرکوز

ہونا ضروری ہے۔ بغیر شکل و صورت کے کسی ارادہ کو ارادہ نہیں کہتے۔"

باباصاحبؒ نامساعد حالات میں پیش آنے والی مشکلات اور پابندیوں کو صبر اور خوشی سے برداشت کرنے اور ان سے کامیابی سے گزرنے کے لئے دلکش پیرائے میں اظہارِ خیال کرتے ہیں، اس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کم ہمتی اور بے عقلی کے دباؤ میں آکر پیش آنے والی پابندیوں سے فرار ڈھونڈتا ہے۔ کم ہمتی دہرے نقصان کا سبب بنتی ہے یعنی ناکامی ہوتی ہے اور نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ قلندر باباؒ اولیاؒ فرماتے ہیں،

"اگر کوئی پابندی اس نے رضاکارانہ برداشت کی تو اس کا فائدہ اس کو ملتا ہے اور وہ فائدہ اس کا انعام ہے لیکن اگر کوئی مجبوراً پابندی برداشت کرتا ہے تو اس کے لئے وہی پابندی سزا ہے۔ غور طلب یہ ہے کہ وہ انعام سے تو انکار کرتا ہے اور سزا کے لئے ہر وقت آمادہ ہے اور سزا برداشت کرتا ہے اس لئے کہ سزا برداشت کرنے کے لئے مجبور ہے۔ اگر وہ طرزِ فکر میں تبدیلی کر دے اور رضاکارانہ پابندی برداشت کر لے تو وہ سزا نہیں رہتی بلکہ انعام بن جاتی ہے۔"

ابدالِ حق حضور قلندر باباؒ اولیاؒ کی ایک غزل پیشِ خدمت ہے۔

عشق ہی میرا سفر ہے عشق ہی کاشانہ ہے
میں وہی کشتی ہوں جس کا ناخدا دیوانہ ہے

یاد ہیں وہ دن کہ سر تھا اور لطفِ پائے دوست
اب وہی سر کوہ و صحرا کے لئے افسانہ ہے

شمع اپنے ساتھ دورِ زندگانی لے گئی
کچھ نہیں محفل میں اک خاکستر پروانہ ہے

دل رہا میرا وہ صورت جلوہ گر جب تک رہی
اب میں بیگانہ ہوں دل سے مجھ سے دل بیگانہ ہے

میں ہوں اور میخانۂ خونِ محبت ہے عظیمؔ
زندگی میری فقط اک جرأتِ رندانہ ہے

عشق ہی میرا سفر ہے عشق ہی کاشانہ ہے
میں وہی کشتی ہوں جس کا ناخدا دیوانہ ہے

اشعار بھی کہے۔ ان میں سے دو یہ ہیں۔

؎ ہائے اس رنگین چہرے کا نظام
بت کدے کی صبح مے خانے کی شام

؎ دست ادب آموز بڑھا حرمت ساقی
مستی میں گرا جاتا ہے پیمانہ کسی کا

حامد ابراہیم

پہاڑ باشعور مخلوق ہے

شاگرد سمجھتا ہے کہ سیب پلیٹ میں موجود نہیں تھا بلکہ لاموجود سے موجود ہوا ہے جب کہ روحانی بندے کا مشاہدہ ہے کہ مادی لباس پہننے سے پہلے سیب روشنی کی حالت میں موجود تھا۔

مخلوقات کس طرح پیدا ہوتی ہیں؟

تخلیق کا بنیادی مسالا کیا ہے؟

زندگی کا قیام کیسے ممکن ہے؟

اشیا کا ظاہر اور باطن کیا ہے؟

ان سوالات کے جواب اور تخلیقی فارمولے درج ذیل آیات میں غور و فکر سے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے،

۱۔ بے شک ہمارا کہنا کسی شے کے لئے جب ہم اس کا ارادہ کرلیں تو ہم اسے کہتے ہیں کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ (النحل: ۴۰)

۲۔ اور پانی سے ہر زندہ شے پیدا کی۔ کیا وہ نہیں مانتے؟ (الانبیآء: ۳۰)

خالقِ کائنات نے قرآن کریم کو سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ غور و فکر شرط ہے۔

اللہ جب کسی شے کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا! وہ ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جو شے موجود نہیں، اسے مخاطب کرنے کا کیا مطلب ہے؟

کسی شے کو ظاہر ہونے کا حکم دینے میں حکمت یہ پنہاں ہے کہ وہ شے اللہ کے لئے موجود ہے مگر مخلوق کے لئے غیب ہے لہٰذا اللہ جب کسی شے کو ظاہر ہونے کا حکم دیتے ہیں تو یہ مظاہرہ مخلوق کے لئے ہے، اللہ کے لئے ہر غیب حاضر ہے۔ اللہ غیب و ظاہر کا جاننے والا ہے۔

فرض کیجئے کہ زید ایک فرد ہے جو آج سے سو سال بعد پیدا ہوگا اور دنیا میں کردار ادا کرکے دوسری دنیا میں منتقل ہو جائے گا۔ فی الوقت مخلوقات کے لئے زید نامعلوم اور لاموجود ہے لیکن کائناتی پروگرام میں زید کا نام ریکارڈ ہے۔

وہ اپنے وقت پر اس دنیا میں آئے گا۔

اپنے ہونے کا ادراک اور دوسرے افراد کے سامنے جسمانی وجود کے ظاہر ہونے کو عام فہم الفاظ میں پیدائش کہتے ہیں۔ ہر تخلیق پرتوں کا مجموعہ ہے اور ہر پرت ایک جسم ہے۔ جب تخلیق مختلف عالمین سے گزرتی ہے تو ہر عالم میں اپنی ایک منفرد شناخت رکھتی ہے۔ ماں خواب میں دیکھتی ہے کہ اس کے اولاد ہوگی۔ جو بچہ اس کے ہاں پیدا ہوگا، وہ اِس وقت کائنات کے کسی عالم میں موجود ہے لیکن اس کا مٹی کا پرت ابھی ظاہر نہیں ہوا۔

مضمون کے پہلے صفحے پر دی گئی دوسری آیت میں تخلیق کے مسالے کا ذکر ہے۔

"اور پانی سے ہر زندہ شے پیدا کی۔ کیا وہ نہیں مانتے؟" (الانبیآء: ۳۰)

زندہ ہونا کیا ہے—؟

یہ آیت زندگی کے عام مفہوم سے ہٹ کر وسیع اور اصل معانی بیان کرتی ہے۔ اس کے مطابق ظاہری دنیا میں کسی شے کا مخصوص افعال کے ساتھ قائم رہنا اس شے کی زندگی ہے۔ مثلاً ہرن کا بچہ ماں کے پیٹ میں خاص وقت تک پرورش پاتا ہے پھر آب و گِل کی دنیا میں ظاہر ہوتا ہے، دودھ پیتا ہے، بڑا ہو کر گھاس چرتا ہے، جوان ہوتا ہے تو قلانچیں بھرتا ہے، اس کے بچے ہوتے ہیں اور پھر وہ وقت آتا ہے جب جسم مٹی کے ذرّات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مرنے سے پہلے جب تک وہ ہرن کی صورت میں سامنے رہا، ہم نے اسے زندہ سمجھا۔

ہمارے سامنے پتھر ہے۔ یہ انڈے کی طرح بیضوی ہو سکتا ہے اور چٹان سے الگ ہو کر نوک دار بھی۔ یہ کب اور کہاں پیدا ہوا—؟

تحقیق و تلاش میں پتھروں اور پہاڑوں کی پیدائش سے متعلق مفروضات ہیں لیکن یہ کیسے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے وجود کے لئے مسالا کہاں سے آتا ہے، اس حوالے سے مشاہدہ نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کسی چٹان یا پہاڑ کو تقریباً ایک حالت میں دیکھتے ہوئے کئی انسانی نسلیں گزر جاتی ہیں۔

ہم پتھر کو ہتھوڑے کی مدد سے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل کرتے ہیں اور ان ٹکڑوں کو پیس کر ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ اس کی سختی، وزن، رنگ اور بناوٹ اب ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ پتھر کی زندگی اختتام پذیر ہوگئی۔

یعنی پتھر کا مخصوص صفات کے ساتھ اپنی حالت میں قائم رہنا اس کی زندگی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ خشیتِ الٰہی سے پست ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ تفکر کریں۔"

(الحشر:۲۱)

پہاڑ باشعور مخلوق ہیں۔ یہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں۔ ان میں اطلاع وصول کرنے اور اطلاع کو سمجھ کر عمل کرنے کی صلاحیت ہے۔

★ اولی الالباب — صاحبِ مشاہدہ ہستی نے پہاڑ کا تخلیقی میکانزم بیان کیا ہے، اسے صفحہ نمبر 36 پر پڑھئے۔ (ادارہ)

قرآن کریم نے زندگی کو سمجھنے کے لئے محدود فہم سے مختلف اور حقیقی تعریف سے آشنا ہونے کی دعوت دی ہے۔ ہر شے جو مخصوص صفات کے ساتھ متحرک ہے، وہ زندہ ہے اور "ماء" سے پیدا ہوئی ہے جس کا عام ترجمہ پانی کیا جاتا ہے۔

سائنس کا کہنا ہے کہ ہمارے سیارے پر پانی دو عناصر آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے۔

پھر سائنس یہ بھی کہتی ہے کہ مٹی، پتھر اور دھات وغیرہ ان دو عناصر کے بجائے دیگر عناصر سے بنے ہیں۔ ان کے مطابق مٹی اور پتھر میں پانی مرکب کے طور شامل ہو سکتا ہے لیکن ان کے وجود کی بنیاد نہیں۔ محقق تسلیم کرتے ہیں کہ ہم ابھی تک مادے (matter) میں قید ہیں اور مادی یا محدود حواس جن اشیا کا ادراک نہیں کر سکتے، وہ ہمارے مشاہدے سے باہر ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مادی حواس کو ان اشیا کا مشاہدہ کیوں نہیں—؟ کیوں کہ آدمی کو وہی شے نظر آتی ہے جو مٹی سے بنا ہوا لباس ہے۔

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

"جس کائنات کو مادی آنکھ دیکھتی اور پہچانتی ہے، اس کی بنیاد روشنی کے اوپر قائم ہے۔ ایسی روشنی جس کے اندر بہاؤ ہے۔ اس روشنی اور روشنی کے اسی بہاؤ کو قرآن پاک ماء کہتا ہے۔ قرآن پاک نے جس روشنی کو ماء یعنی پانی کے نام سے متعارف کرایا ہے، سائنس اسی روشنی یا پانی کو گیسوں کے نام سے جانتی ہے۔ روشنیوں کے بہاؤ سے مراد یہ ہے کہ صدہا گیسوں کے اجتماع سے شکلیں وجود میں آتی ہیں۔"

قارئین! اس اقتباس کو سطحی طور پر پڑھنے سے سمجھ میں یہ آیا کہ گیسوں سے مراد آکسیجن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، کلورین یعنی مادی گیسیں ہیں جب کہ ایسا نہیں۔ باطنی علوم کے ماہرین نے تخلیقی مقداروں کی حالت ماء کو گیسوں سے تشبیہ دی ہے تاکہ محدود ذہن کے لئے سمجھنا آسان ہو۔ جس طرح گیسوں میں مختلف ایٹم اور سالمات (مالیکیول) حرکت میں رہتے ہیں اور ان میں مسلسل بہاؤ ہوتا ہے، اسی طرح ماء تخلیقی مقداروں کی مسلسل حرکت اور بہاؤ کا نام ہے۔

"حضور قلندر بابا اولیاؒ نے گیسوں کے مجموعے سے گیس کی ابتدائی شکل کا نام نسمہ بیان کیا ہے یعنی نسمہ ان بنیادی لہروں یا ان بنیادی شعاعوں کا نام ہے جو وجود کی ابتدا کرتی ہیں۔"

(کتاب: شرح لوح و قلم)

نسمہ مٹی کے جسم سے نو (9) انچ کے فاصلے پر روشنی کا جسم ہے جس کو مادی ذرائع سے دیکھنا ممکن نہیں البتہ اس کے تاثرات کے عکس کو سائنسی ایجادات کے ذریعے دیکھ لیا گیا ہے۔

ماء میں تمام تخلیقات کی مقداریں یا گیسیں ہیں۔ ان میں سے چند گیسوں کو الگ کرکے اکٹھا کیا جائے تو یہ کسی شے کا تخلیقی فارمولا بنتا ہے۔

مثال: بابا آدمؑ کے ورثے "علم الاسماء" سے واقف ایک روحانی بندہ تخلیق کے بنیادی مسالے ماء سے کوئی شے تخلیق کرنا چاہتا ہے۔ وہ ماء یا گیسوں کے مجموعے سے پہلے زرد، سرخ اور سفید رنگ کی چند مقداریں الگ کرتا ہے۔ اگلے مرحلے میں گولائی، آبی، گدگدا (اسفنج نما)، مٹھاس، کھٹاس اور خوش بو کی مقداریں الگ کرتا ہے پھر ان مقداروں کو یکجا کرنے سے ایک شے بنتی ہے جسے ہم سیب کہتے ہیں۔

سیب ابھی مادی حالت میں نہیں آیا بلکہ یہ روشنیوں کا سیب ہے۔ روحانی سائنس دان اس حالت کو ہیولا کہتے ہیں۔ روحانی بندہ سیب کے ہیولے کو مادی قالب میں لانے کے لئے مٹی کا لباس پہناتا ہے۔ نتیجے میں سرخ، زرد، گول اور خوش بودار سیب نمودار ہو جاتا ہے۔

شاگرد یہ سب دیکھ رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ سیب پلیٹ پر موجود نہیں تھا بلکہ لاموجود سے موجود ہوا ہے جب کہ روحانی بندے کا مشاہدہ ہے کہ مادی لباس پہننے سے پہلے سیب روشنی کی حالت میں موجود تھا۔ یہ امر بھی قابلِ تفکر ہے کہ جب تک ہیولا (تمثل، غیر مادی وجود) نہ ہو،

شے کا مٹی کے لباس میں ظاہر ہونا ممکن نہیں۔

صاحبِ مشاہدہ خواتین و حضرات فرماتے ہیں،
"تصوف میں ممکن کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو تکمیل کے بعد مادی آنکھ دیکھ لے۔ جب تک شے کی مادی صورت وجود میں نہ آئے، اس حالت کو تمثل یا تحقّق کہتے ہیں۔"

مادی علوم میں ظاہری جسم کو اصل سمجھ کر اس پر تحقیق کی جاتی ہے لیکن قرآن کریم میں بیان تخلیقی علوم سے انکشاف ہوتا ہے کہ مادی وجود لباس ہے جس کے ذریعے اصل کو پردے میں رکھا گیا ہے۔ مادی قالب مٹنے کے بعد بھی شے کی اصل جو روشنیوں پر قائم ہے، موجود رہتی ہے اور اندر کی آنکھ سے نظر آتی ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مٹی سے شکلیں بناتے پھر اللہ کے عطا کردہ علوم کے تحت ان میں پھونک مارتے تو وہ جیتی جاگتی ہو جاتیں۔ آگاہی ملتی ہے کہ اس عمل سے مٹی میں ماء کی مخصوص مقداریں یا فارمولا متحرک ہو جاتا اور شے جیتی جاگتی بن جاتی۔ قرآن کریم میں موجود قصائص تخلیقی علوم سیکھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

نکتہ: لوہا دھات ہے جس کی صفات قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لوہا مخصوص ذرّات کا مجموعہ ہے جو مضبوطی سے باہم چپکے ہوئے ہیں۔ ہر ذرّہ دوسرے ذرّے کی کاپی ہے۔ ان میں ایک خاص تعداد اور مقدار میں پروٹان، نیوٹران اور الیکٹران ہوں تو لوہا بنتا ہے۔

باطنی علوم کے ماہرین لوہے کی تخلیق میں کثافت، ٹھوس پن، سختی، وزن، رنگ، لچک، کھردرا پن، کسیلا پن، پگھلنے اور موٹے یا دبیز ہونے کو اولیت دیتے ہیں جب کہ محققین ان کو ثانوی سمجھتے ہیں اور ایٹم کی مخصوص تعداد اور لوہے میں ذرّات کی ترتیب کو اولیت دیتے ہیں۔ دراصل مادی علوم ظاہر سے باطن کو تلاش کرتے ہیں اس لئے باطن یا اصل تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔

اگر لوہے سے بنی کوئی شے مختلف عوامل سے گزرنے کے بعد بھی اپنی اصل صفات پر قائم ہے تو ہم تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ اصل لوہا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ مقداریں جو کسی شے کی صفات بنتی ہیں مگر اس کے ساتھ اپنی اصل حالت میں بھی قائم رہتی ہیں، وہ اس شے کا فارمولا یا تخلیقی مقداریں ہیں۔

مٹی کا جال

مٹی کا ڈھیر جمع ہو جائے اور اس کو دس بیس سال گزر جائیں تو مٹی کے اندر بھی خمیر ہے، مٹی پھول جاتی ہے اور پھولنے کے بعد اس کے اندر سوراخ ہو جاتے ہیں اور مٹی سے ہی وہ سوراخ بھرے جاتے ہیں — مٹی پتھر بن جاتی ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب مٹی کا ڈھیر اس جگہ پر کئی سال پڑا رہے اور زمانے کے نشیب و فراز سے گزر تا رہے۔ بارش ہو، دھوپ ہو اور مٹی اڑ کر اس کے اوپر جمتی رہے۔ جمی ہوئی مٹی کے ٹکڑے بن جاتے ہیں، ان ٹکڑوں میں مٹی سخت ہو جاتی ہے اور نشوو نما شروع ہو جاتی ہے۔ نتیجے میں مٹی کے ذرات سخت ہو کر ایک جال بن جاتے ہیں۔ جال موسمی تغیرات سے گزر تا ہے۔ اس میں بڑے بڑے سوراخ چھوٹے سوراخوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ جال بند ہو جاتا ہے لیکن بند نہیں ہوتا — وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، چھپ جاتا ہے۔

(قانون) ہر مخلوق کی طرح مٹی پیدا ہوتی ہے، بچپن لڑکپن سے گزر کر جوان ہوتی ہے اور ایک دو تین انچ کا پتھر کا ٹکڑا ہمالیہ کے پہاڑوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پہاڑ دوسری مخلوقات کی طرح پیدا ہوتے ہیں اور عقل و شعور رکھتے ہیں۔ کائنات کی دستاویز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

۱۔ تم پہاڑوں کو دیکھ کر قیاس کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں، یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ (النمل:۸۸)

۲۔ ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔ (الاحزاب:۷۲)

قانون یہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی طرح پہاڑ بھی سانس لیتے ہیں، درخت بھی سانس لیتے ہیں۔ علمائے باطن فرماتے ہیں کہ پہاڑ ایک سانس 15 منٹ میں لیتے ہیں۔

(ادارہ)

نادر جہاں

زمان و مکاں

آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے— زمان و مکاں کے بغیر سوالیہ نشان ہے۔ مکان اسپیس یا مظاہرہ ہے اور زمان مظاہرے میں حرکت ہے۔ حرکت کے ایک رخ میں پانی ایک دنیا سے دوسری دنیا میں بارش کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور ایک حرکت وہ ہے جو پانی کے زمین میں داخل ہونے کے بعد زمین کی سطح پر قسم قسم کی مخلوقات کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور مسلسل تغیر (نشوونما) سے گزرتی ہے۔

حرکت کے بغیر اسپیس کا مظاہرہ نہیں ہوتا اور اسپیس ظاہر کئے بغیر حرکت نظر نہیں آتی۔ سماوات، ارض، جمادات، نباتات، حیوانات، آدمی، جنات، فرشتے سب زمان و مکاں کے روپ بہروپ ہیں۔

دراصل مکان بھی ایک ہے اور زمان بھی اور یہ وہ زمان و مکاں ہے جس کا ذکر الہامی کتابوں اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں ہے۔ کائنات وجود میں آئی تو ہر تخلیق اور مقام کی انفرادیت قائم ہوئی۔ انفرادیت سے مراد نوع اور فرد کی سطح پر سب کے الگ الگ فارمولے بن گئے۔ پیدائش اور موت کا وقت الگ ہے، خدوخال مختلف ہیں، کوئی زمین کے اوپر اور کوئی نچلے طبقے میں رہتا ہے اور زمینیں ایک نہیں، لاشمار ہیں۔ ایک زمین وہ ہے جو فضا میں قائم ہے جس میں وائرس، بیکٹیریا، جنات اور ایسی بہت مخلوقات آباد ہیں جن کو ہم نے نہیں دیکھا۔

زمان و مکاں کی ایک حالت میں فاصلے سمٹ جاتے ہیں اور وقت کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ بات اعداد و شمار کی حدود سے نکل جاتی ہے۔ دوسری حالت میں فاصلہ بڑھنے سے وقت طویل محسوس ہوتا ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ ہم ایک اسپیس کی گرفت سے نکل کر دوسری اسپیس میں داخل ہوتے ہیں جیسے بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا اور بڑھاپے سے موت۔ اسی طرح ایک اسپیس ذہن کی ہے۔ اگر ذہن کی

اسپیس مادی طرزوں میں کام کرتی ہے تو عمر کے ادوار سے گزر کر بھی آدمی محدود اسپیس کی بندش سے آزاد نہیں ہوتا۔

ہم چاہیں تو محدود اسپیس سے آزاد اسپیس میں داخل ہوسکتے ہیں اور چاہیں تو محدود اسپیس کو خود پر مسلط کرسکتے ہیں۔ مثلاً ہمیں کوئی کام کرنا ہے۔ اس کو قاعدے اور طریقے سے کیا جائے تو ایک گھنٹے میں پورا ہو جاتا ہے لیکن اگر ہم نہ چاہیں تو ایک گھنٹے کا کام ہفتوں اور مہینوں میں بھی پورا نہیں ہوتا۔ وقت کو مختصر یا طویل کرنا آدمی اور جنات کا اختیاری عمل ہے۔

زندگی کی مقداریں معین ہیں۔ مشاہدات اور تجربات سے انکشاف ہوتا ہے کہ آدمی چاہے تو ان مقداروں کو 40 سال میں پورا کرلے یا 80 سال میں بھی پوری نہ ہوں۔ ایک آدمی ان عوامل میں زندگی گزارتا ہے جن میں زندگی میں کام آنے والی صلاحیتوں کا بے جا اسراف ہوتا ہے۔ وہ صحت کو متاثر کرنے والی غذائیں استعمال کرتا ہے، دماغ پر بادل چھائے رہتے ہیں جن کے دباؤ سے اعصاب مضمحل ہو جاتے ہیں۔ نتیجے میں آدمی کی عمر کم ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس ایک آدمی لوازماتِ زندگی کو بہت مختصر کر دیتا ہے۔ غم و آلام کو قریب نہیں پھٹکنے دیتا، تمباکو اور منشیات سے دور رہتا ہے، صحت بخش غذائیں استعمال کرتا ہے۔ ایسی جگہ رہتا ہے جہاں فضا زہر آلود نہیں ہوتی — اس کی عمر بڑھ جاتی ہے۔

وضاحت کا مقصد یہ ہے،

ا۔ حرکت کے ایک رخ میں انرجی یا وہ لہریں جو زندگی کو قائم رکھتی ہیں، اتنی زیادہ خرچ ہوتی ہیں کہ اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔

۲۔ دوسرا رخ وہ ہے جس میں لہریں ضرورت کے مطابق خرچ اور ذخیرہ ہوتی ہیں۔ نتیجے میں فرد کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور اسپیس سمٹ جاتی ہے۔

مراقبہ ایسا عمل ہے جس کے ذریعے کوشش کی جاتی ہے کہ انسان کے اندر لہروں کا ذخیرہ زیادہ سے زیادہ محفوظ ہو اور اس کی طاقت سے وہ سکون اور راحت کی زندگی میں داخل ہو۔ باطنی علوم کے ماہرین نے جس طاقت کو لہروں کا نام دیا ہے، محققین ان لہروں کو کیلوریز کہتے ہیں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

پیراسائیکالوجی

پیراسائیکالوجی کے تحت دیئے گئے علاج کے لئے اجازت ضروری ہے۔ کوئی صاحب یا صاحبہ اجازت کے بغیر علاج نہ کریں۔ (ادارہ)

اصول

ابراہیم خان (نورفک، برطانیہ): بیٹا پانچ سال کا ہے اور آٹزم میں مبتلا ہے۔ کھیلتا ہے، اسکول جاتا ہے۔ کھانے میں تنگ کرتا ہے لیکن کھانا کھالیتا ہے۔ پیزا شوق سے کھاتا ہے۔ اپنی بات پوری کہتا اور سمجھتا ہے۔ کسی کی طرف اس وقت متوجہ ہوتا ہے جب کوئی ضرورت ہوتی ہے ورنہ نظر انداز کردیتا ہے جیسے سامنے کوئی موجود نہیں۔ زیادہ تر خاموش رہتا ہے۔ چند روز پہلے اسکول سے بچے کے رویے میں جارحیت کی شکایت آئی۔ جسمانی صحت اچھی ہے۔

ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس مرض کا علاج نہیں۔ امید کے ساتھ خط لکھا ہے، جو علاج بتائیں گے، کروں گا۔ اللہ آپ کو جزا دے۔

خط کے ساتھ بچے کی تصویر منسلک ہے۔

آپ نے اس کالم میں چند ماہ پہلے آٹزم کے علاج کے لئے نیگیٹو بینی تجویز فرمائی تھی۔ جاننا چاہتا ہوں کہ نیگیٹو کیا ہے؟

جواب: بچے کو ایک بیماری ہے جس میں ذہن یکسو ہوجاتا ہے اور پھر خود بخود یہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"اور جب بیمار ہوجاتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا کرتا ہے۔" (الشعراء: ۸۰)

اس آیت میں یقین کی تعریف ہے۔

قانون یہ ہے کہ جو شے پیدا ہوتی ہے (اس میں بیماری بھی شامل ہے)، اس کا علاج ہے۔ اگر بیماری ہے تو علاج بھی ہے۔

حواس کے دو رخ ہیں۔ ایک نیگیٹو اور ایک پوزیٹو ہے۔ حواس کا مطلب سننا، دیکھنا، سمجھنا، محسوس کرنا اور بولنا ہے۔ ہم جب باہر سنتے اور

The Secret of a Beautiful Smile

DENTAL innovations Clinic

Dental Implants

Aesthetic Dentistry
Teeth Whitening, Porcelain Crowns, Veneers, Ceramic Restorations

Restorative Dentistry
Crown & Bridge, Root Canal Treatment

Orthodontics
Fixed And Removable Braces, Invisible Braces

General Dentistry
Extractions, Fillings, Dentures

Preventive Dentistry
Pit Fissure Sealants, Scaling, Root Planning

Minor Oral Surgery
Impaction (Wisdom Teeth), Apicectomy

Pediatric Dentistry
Space Maintainers, Steel Crowns

LAHORE
LG 136, Siddiq Trade Center
Main Boulevard Gulberg.
0301 2399991 - 042 2581711
0300 8511747

QUETTA
Balochistan Medical Center
Prince Road / Fatima Jinnah Road,
081 2836448 - 081 2825275
0300 3811747

Canderel®
with Stevia
Naturally Sweet
Canderel
with Stevia
Canderel
Canderel
Stevia
Zero calorie sweetener
60g
Zero Calorie
Sweetener
Available in
Tablets, Sachets and Jars
SEARLE

دیکھتے ہیں تو یہ حواس کا پوزیٹو رخ کہلاتا ہے اور جب ہم اپنے inner میں سنتے اور دیکھتے ہیں تو یہ حواس کا نیگیٹو رخ ہے۔ ہماری اصل نیگیٹو ہے۔ اس کی مثال تصویر کی ہے۔ تصویر کا پہلے نیگیٹو بنتا ہے پھر پوزیٹو بنتا ہے۔

بات یہ ہے کہ جب پیاس لگتی ہے تو پہلے دماغ میں پانی کی تصویر بنتی ہے۔ تصویر نہ بنے تو ہم پانی نہیں پیتے۔ دماغ میں پانی کی تصویر بننا نیگیٹو ہے اور اس کا مظاہرہ یعنی پانی پینا پوزیٹو ہے۔ کام پر جانے کا خیال نہ آئے تو آپ کام پر نہیں جائیں گے۔ سارا نظام ان دو رخوں پر قائم ہے۔

یہ بچہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، وہ نیگیٹو میں دیکھ رہا ہے اور اس کو پوزیٹو سمجھ رہا ہے۔ یہ ہماری طرح زندگی گزار رہا ہے لیکن اپنے اندر۔ اس کے نیگیٹو اور پوزیٹو میں ابھی توازن نہیں ہے۔

کیبنٹ سائز (4.25 x 6.5 inch) کا نیگیٹو بنوایئے۔ اس کو فریم کروا کر جس کمرے میں بچہ زیادہ وقت گزارتا ہے، وہاں ایسی جگہ لگایئے جہاں بچے کی نظر بار بار پڑے۔ زبردستی دکھانے کی کوشش مت کیجئے، وہ نہیں دیکھے گا۔ اس کی نظر نیگیٹو پر خود پڑے گی کیوں کہ یہ اس کا اپنا نیگیٹو ہے۔ ہوسکتا ہے بچہ نیگیٹو دیکھ کر احتجاج کرے۔ ایسے میں تھوڑی دیر کے لئے ہٹا دیجئے اور پھر لگا دیجئے۔ جتنا یہ نیگیٹو کو دیکھے گا — اتنی جلدی صحت بحال ہوگی، انشاءاللہ۔

شہد: رات کو سونے سے پہلے شہد کھلایئے۔ دودھ میں ملا کر دیا جاسکتا ہے۔ جلیبی اور مٹھائی کھلائیں مگر اعتدال کے ساتھ۔

اخروٹ: دو ہفتے تک روزانہ آدھا اخروٹ، اس کے بعد روز ایک پورا اخروٹ کھلا سکتے ہیں، ایک سے زیادہ نہیں۔

احتیاط: نمک اتنا کم کر دیجئے کہ کھانا اس کو پھیکا نہ لگے۔ بہت ضد کرے تو تھوڑا پیزا کھلا دیجئے ورنہ کوشش کیجئے کہ اس کے بغیر بہل جائے۔

★ علاج کا اصول یہ ہے کہ اللہ کے بھروسے پر یقین کے ساتھ علاج کیا جائے۔

40 دن بعد رپورٹ سے مطلع کیجئے۔

مونگ پھلی

د۔ ص (کراچی): دائیں آنکھ کا پردہ پیدائشی طور پر کمزور ہے۔ چشمہ لگانے کے باوجود ٹھیک سے نظر نہیں آتا۔

جواب: کھانا کھانے کے ایک گھنٹے بعد مونگ پھلی کے اندر دانے گن کر گیارہ کی تعداد میں

کھایئے— ایک ایک کرکے۔ اس پر پانی نہیں پینا۔ واضح رہے کہ گیارہ مونگ پھلیاں نہیں — مونگ پھلی کے اندر گری۔ رات کو "الحق النوّر" شمار کئے بغیر پڑھتے پڑھتے سوجایئے۔ بیچ میں بات نہیں کرنی— کان کے نیچے ہاتھ رکھ کر سیدھی کروٹ سوجایئے۔

حلق کا کوّا

محمد سدیس (برمنگھم) : بچہ 14 ماہ کا ہے۔ بہت پھرتیلا ہے۔ جو دیکھتا ہے، وہ کرتا ہے لیکن دودھ کی بوتل پکڑتا ہے اور نہ ٹھوس غذا لیتا ہے۔ کھیر اور دلیہ نہیں کھاتا۔ نمکین چیزیں کھلائیں تو بہت دیر تک کھانا منہ میں رکھتا ہے اور بعض اوقات قے کرکے نکالتا ہے۔ تین چار گھنٹوں میں بھی کھانا حلق سے نہیں اتارتا۔ کھانا دیکھ کر بھاگتا ہے۔ ماں ذہنی مریضہ بن گئی ہے۔ یہ مسئلہ تب ہوا جب وہ چار ماہ کا تھا۔ ہم بہت پریشان ہیں۔ ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق بچہ ٹھیک ہے۔

جواب: حلق میں گوشت کا ٹکڑا اسالٹکا رہتا ہے، اس کو کوّا کہتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر کو دکھایئے اور اس کی رپورٹ کے ساتھ تصویر بھی بھیجئے۔

فضول خرچی

نام شائع نہ کریں (اسلام آباد): مالی حالات خراب ہیں۔ لاکھوں کا مقروض ہوں۔ طیب اور کشادہ رزق کا خواہاں ہوں۔

ماہنامہ قلندر شعور جنوری 2023ء

پیرا سائیکالوجی
(Parapsychology)

اماں کا نام : .... سائل کا نام: ....

تاریخ اور وقت پیدائش : .... تعلیم: .... ازدواجی حیثیت: ....

جاگنے کا دورانیہ : .... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: ....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: .... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: ....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن : .... دستخط : ....

خط و کتابت کا پتہ : ....

رابطہ نمبر : ....

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

"وہ اللہ ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تاکستان اور نخلستان پیدا کئے، کھیتیاں اگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں، زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ کھاؤ ان کی پیداوار جب یہ پھلیں اور اللہ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو اور حد سے نہ گزرو۔ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (الانعام: ۱۴۱)

آیت کی عربی اور ترجمہ دونوں حفظ کر لیجئے۔

۱۔ رات کو اول آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ ایک سو گیارہ مرتبہ اس آیت کا ورد کیجئے اور بات کئے بغیر سیدھے کان کے نیچے ہاتھ رکھ کر کروٹ سے سو جایئے۔

۲۔ نماز باجماعت پڑھئے۔ فجر کی اذان کے وقت اٹھئے اور نماز کے بعد گھر آکر گراف پیپر پر سوا لاکھ مرتبہ "ل" لکھئے۔ طریقہ یہ ہے کہ ہر خانے میں ایک "ل" لکھنا ہے اور 40 روز میں سوالاکھ کی تعداد پوری کرنی ہے۔

۳۔ فجر کی نماز کے بعد زمین پر کوئی کونا منتخب کر کے چیونٹیوں کے لئے چینی ڈالئے اور وہاں سے الٹے قدموں واپس آجایئے۔

انشاءاللہ ــــ مسائل کا حل روشن ہو گا۔

ایک شخص کسی ضلع میں افسر مقرر ہوا تو قریبی دوست مبارک باد دینے اور خدا حافظ کہنے آیا۔ نصیحت کی، "افسر بن گئے ہو، ایک بات یاد رکھنا ــــ صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔"

افسر نے کہا، میں یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھوں گا۔

دوست نے وہی نصیحت تین بار کی اور اس نے تینوں بار اثبات میں سر ہلایا۔

جب دوست نے چوتھی مرتبہ بات دہرائی تو وہ مشتعل ہو گیا اور کہا، "تم نے مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے، جس بات کا جواب دے چکا ہوں، اسے بار بار دہرا رہے ہو؟

دوست نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا، دیکھا! صبر و تحمل سے کام لینا اتنا آسان نہیں۔ میں نے چند مرتبہ ایک ہی بات کہی اور تم مشتعل ہو گئے۔

خواتین و حضرات! افسر دوست کو بات سمجھ میں آئی یا نہیں آئی، یہ بتایئے آپ کیا سمجھے؟

گلِ نسرین

رنگ، رنگ زندگی

پانی پیتے ہوئے خیال آیا کہ یہ بے رنگ ہے لیکن جب پودوں کو پانی دیا تو ذہن ایک نقطے پر مرکوز ہو گیا۔ اگر پانی بے رنگ ہے تو پھول، پودوں اور زمین سے اگنے والے تمام ثمرات (چیزوں) میں اتنے رنگ کہاں سے آتے ہیں؟

زندگی اندر باہر رنگوں سے حسین ہے۔ اندر میں رنگ ماند پڑ جائیں تو سب کچھ ہو کر بھی دنیا کی کشش — لاکشش ہو جاتی ہے۔ لغت کے مطابق رنگ چہرے کی وہ کیفیت یا اتار چڑھاؤ ہے جو جذبات میں دباؤ سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ رنگ حال اور حجاب کے معانی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ بہر کیف رنگ ایسی تخلیق ہے جو زندگی کو ظاہر کرتی ہے اور زندگی کو چھپا دیتی ہے۔

بسا اوقات رنگوں کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ میں کس رنگ میں اچھی لگتی ہوں، سب سے اچھا رنگ کون سا ہے اور کیا دنیا میں کوئی شے بے رنگ ہے؟ کیا میں جانتی ہوں کہ رنگ کیا ہے؟ رنگ کی حقیقت کا علم نہ ہو تو کیسے معلوم ہو گا کہ زندگی رنگوں سے عبارت کیوں ہے؟

"ماہنامہ قلندر شعور" میں رنگ سے متعلق جتنی تحریریں پڑھی ہیں، میری دانست میں ان میں تین پہلو نمایاں ہیں۔

- رنگ ابعاد (ڈائی مینشن) ہے۔
- رنگ مقدار ہے۔
- رنگ دوری ہے۔

مقدار، ڈائی مینشن اور دوری کے الفاظ کی رنگ سے مناسبت میرے لئے نئی تھی لیکن سمجھ کر پڑھا اور پڑھ کر غور کیا تو الفاظ سے دوستی ہوئی اور مضامین آسان ہو گئے۔ آج سے ایک سال پہلے کوئی پوچھتا کہ دوری کیا ہے تو میرا جواب مجازی معنوں میں ہوتا۔ اب کوئی پوچھے تو اس لفظ کو سن کر پہلا خیال رنگ کا آتا ہے۔

دوری: سفید رنگ دوپٹے کو نیل میں بھگونے سے سفید سے دوری ہو جاتی ہے۔ سفید رنگ ختم نہیں ہوتا — اپنی جگہ رہتا ہے لیکن چھپ جاتا ہے، نظر نہیں آتا۔ نیلے پر سرخ رنگ کیا جائے تو سفید سے مزید دوری ہو جاتی ہے اور سرخ کی وجہ سے نیلا رنگ بھی چھپ جاتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سرخ رنگ بھی نظر نہیں آتا بلکہ نیلے اور سرخ کے ملنے سے بنفشی رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی بنفشی کو دیکھ کر ایک رنگ سمجھتا ہے تو یہ نظر کا دھوکا ہے کیوں کہ بنفشی دو رنگوں کے ملاپ کا نتیجہ ہے۔ جتنے رنگ چڑھتے ہیں، پہلے رنگ سے دوری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

مقدار: رنگ سے شناخت پیدا ہوتی ہے اور شناخت کے لئے شے کی مقدار معین ہوتی ہے۔ مقدار کا متبادل لفظ تعداد ہے۔ دو رنگوں کی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے انہیں ایک ساتھ دکھانے کے لئے مقداریں معین کی جاتی ہیں۔ مقداروں سے رنگ ہلکے اور گہرے ہوتے ہیں۔ مقدار کم یا زیادہ ہو جائے تو رنگ بدل جاتا ہے۔

ڈائی مینشن: اسے اردو میں ابعاد کہتے ہیں۔ ڈائی مینشن شے کی حدودِ اربعہ، طول و عرض اور جہتوں کی وضاحت کرتا ہے۔ ہر شے کسی نہ کسی ڈائی مینشن میں ظاہر ہوتی ہے۔

پھول دار کپڑے پر کئی رنگ ہوتے ہیں۔ ہر رنگ کی حد ہوتی ہے جو رنگوں کی معین مقدار سے ظاہر ہوتی ہے۔ سرخ پھول کے ساتھ سبز پتّا بنتا ہے تو پتّے کی سرحد سبز رنگ سے اور پھول کی سرخ رنگ سے ظاہر ہوتی ہے۔ تعین ہو جائے کہ شے کہاں سے شروع اور کہاں ختم ہوتی ہے، اس کی ابتدا اور انتہا کیا ہے — یہ رنگ ہے اور رنگ شے کو محدود کر دیتا ہے۔

رنگ کی تلاش میں فکر اس مقام پر پہنچی کہ دوری، مقدار اور ڈائی مینشن رنگ کو سمجھنے کے تین زاویے ہیں اور تینوں ایک ہیں۔

اللہ نے لاشمار زمینوں پر ہر شے رنگین پیدا کی ہے۔ دوری، مقدار اور ڈائی مینشن مخلوق کی تعریف ہیں۔ اس کے بغیر کوئی مخلوق زمین پر ظاہر نہیں ہوتی۔

"اور یہ جو بہت سی رنگ رنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کی ہیں، ان میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔"

(النحل: ۱۳)

اللہ نے غور و فکر، تحقیق و تلاش اور مشاہدے

کا حکم دیا ہے۔ آیت کو پڑھ کر تلاش کیا کہ کیا زمین پر کوئی شے بے رنگ ہے؟

پانی پیتے ہوئے خیال آیا کہ یہ بے رنگ ہے لیکن جب پودوں کو پانی دیا تو ذہن ایک نقطے پر مرکوز ہو گیا کہ اگر پانی بے رنگ ہے تو پھول، پودوں اور زمین سے اگنے والے تمام ثمرات (چیزوں) میں اتنے رنگ کہاں سے آتے ہیں؟

ہم پانی کو ٹرانسپیرنٹ کہتے ہیں جب کہ ٹرانسپیرنٹ بھی ایک رنگ ہے۔ رنگ تب نظر آتے ہیں جب پانی کسی چیز سے ٹکراتا ہے جیسے زمین۔ فصل بوئیں لیکن بارش نہ ہو تو فصل نہیں اگتی۔ بارش سے زمین پر شماریات سے زیادہ رنگ ظاہر ہوتے ہیں اور تمام رنگ پانی کے اندر ہیں۔ ایک مثال دودھ ہے۔ دودھ میں دہی، مکھن اور گھی نظر نہیں آتے مگر دودھ میں دہی، مکھن اور گھی موجود ہیں۔ یہ دودھ کے اندر ہیں اور دودھ کی مقداروں میں کمی بیشی سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اللہ نے ہر تخلیق پانی سے پیدا کی ہے اور ہر مخلوق رنگین ہے پھر پانی بے رنگ کیسے ہوا؟ سارے رنگ پانی سے نکلتے ہیں۔ ہم پانی کے زمین میں داخل ہونے کے بعد اس میں چھپے رنگوں کا مظاہرہ دیکھتے ہیں جب کہ <u>ایسے لوگ موجود ہیں جو پانی کے زمین میں داخل ہونے سے پہلے پانی میں موجود رنگ دیکھ لیتے ہیں۔</u>

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

”وہ اللہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے تمہاری رزق رسانی کے لئے ثمرات پیدا کئے۔“ (ابراہیم : ۳۲)

ثمرات رنگ کی تعریف ہیں۔

بشمول ہمارے، زمین پر تمام اشیا پانی سے بنی ہیں۔ اپنے جسم میں ظاہر اور چھپے رنگ گننے لگی تو گنتی کا سلسلہ دراز ہو گیا۔ بالوں کا رنگ، آنکھوں میں رنگ، دانتوں کا رنگ، زبان کا رنگ، ہڈی کا رنگ، ہڈی کے اندر گودے کا رنگ۔

قارئین! اپنے سراپا کو غور سے دیکھئے۔

۱۔ سر دیکھئے۔

۲۔ آنکھوں میں رنگ دیکھئے۔

۳۔ منہ کے بیرونی اندرونی نظام پر غور کیجئے۔

کاغذ پر لکھئے کہ جسمِ انسانی میں کون سا عضو ہے جسے ہم بے رنگ کہہ سکیں۔

سب سے اچھا رنگ کون سا ہے؟ تلاش

کرنے کے لئے آنکھیں بند کیں تو سرگوشی ہوئی کہ دیکھنے کے لئے اندر میں اترنا ہے۔

تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں۔

اندر میں دیکھنے سے ذہن میں پرنٹ ہوا،

۱۔ پھول کا رنگ سب سے اچھا ہے۔

۲۔ قوسِ قزح کے رنگ سب سے اچھے ہیں۔

۳۔ چاند کا رنگ سب سے اچھا ہے۔

۴۔ بچے کا رنگ سب سے اچھا ہے۔

ان رنگوں میں سے ایک کا انتخاب کر رہی تھی کہ چھٹی حس نے راہ نمائی کی — جتنے رنگوں کے تم نے نام لئے، سب بدل جاتے ہیں، دوری پیدا کرتے ہیں، چھپتے ہیں، ظاہر ہوتے ہیں پھر چھپ جاتے ہیں۔ کیا چھپنے، ظاہر ہونے، دوری پیدا کرنے اور بدلنے والے رنگ اچھے ہیں؟

میں نے کہا، نہیں۔

اندر میں سے آواز آئی، پھر سب سے اچھا رنگ کون سا ہے؟

مراقبہ کیا تو اندھیرے میں چمک پیدا ہوئی۔ چمک پر غور کیا تو قرآن کی آیت روشن ہوئی۔

"کہو، اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔" (البقرۃ: ۱۳۸)

فکر کے تاریک گوشے روشن ہوئے کہ ہم مخلوق ہیں، ہمارے رنگ تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اللہ خالق ہے، اللہ کا رنگ تبدیل نہیں ہوتا اس لئے سب سے اچھا رنگ اللہ کا ہے۔

مخلوق میں دوری ہے — ہر دن اس مقام سے دور کر رہا ہے جو اس کی اصل ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس دنیا سے دور ہو جاتا ہے جہاں سے وہ آیا ہے۔ دوسرا دن پہلے دن سے دوری ہے اور تیسرا دن پہلے دو دنوں کو چھپا لیتا ہے۔ لڑکپن — بچپن سے، جوانی — لڑکپن سے اور بڑھاپے کا مطلب بچپن، لڑکپن اور جوانی سے دوری ہے اور ایک دن فرد اس دنیا سے دور ہو جاتا ہے، اس طرح دور ہو جاتا ہے کہ نظر نہیں آتا۔

ہماری تربیت ایسے کی جاتی ہے کہ ہم اصل سے دور ہو جاتے ہیں، یاد نہیں رہتا کہ کہاں سے آتے ہیں اور روزانہ کہاں چلے جاتے ہیں۔

اللہ میں دوری نہیں۔ سب سے اچھا رنگ اللہ کا ہے کہ وہ دور نہیں، ہماری رگِ جان سے زیادہ ہم سے قریب ہے۔ جب اللہ ہر وقت ساتھ ہے تو ہمیں بھی دوری ترک کر کے اللہ کے قرب کو محسوس کرنا ہے۔ مخلوق مقداروں کا مظاہرہ ہے،

اللہ مقداروں سے آزاد اور مقداروں کا خالق ہے۔ مخلوق کی ابتدا اور انتہا ہے جب کہ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ لامحدود ہے پھر اللہ کا رنگ کیسے اختیار کریں—؟ سوال نے شش و پنج میں مبتلا کر دیا۔

کئی روز تفکر میں گزرے۔ ایک صبح نیند سے جاگتے ہی "ماہنامہ قلندر شعور" کی سطریں قطار در قطار دماغ میں روشن ہوئیں۔

"اللہ بے نیاز ہے۔ ہم اللہ کی صفتِ صمدیت یعنی بے نیازی کو اپنا کر اللہ کا رنگ اختیار کرسکتے ہیں۔ کرنا یہ ہے کہ مخلوق سے بے نیاز ہو کر اللہ کا نیاز مند بننا ہے۔ اللہ چاہتا ہے تو ہماری ضروریات پوری ہوتی ہیں— اللہ نہ چاہے تو کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

بے نیازی کا وصف خدمت سے پیدا ہوتا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے ہم ملکیت کے احساس سے آزاد ہونے لگتے ہیں پھر کوئی چیز دیتے ہوئے ہمارا دل چھوٹا نہیں ہوتا۔

اللہ کا قرب محسوس کرنے کے لئے یاد رکھنا ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے، مجھے دیکھ رہا ہے۔ ابتدا میں اس بات کو ارادی طور پر دہرایا جاتا ہے پھر یہ سوچ احساس بن جاتی ہے اور بندہ زندگی کے ہر زاویے میں کیئر آف اللہ سوچتا ہے۔ وفا کا تقاضا ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے، اس کو یاد رکھتے ہیں، اس کا ذکر کرتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں، جو اس کو اچھا لگتا ہے۔ اللہ نے خود تک پہنچنے کا راستہ بہت آسان رکھا ہے اور وہ راستہ یہ ہے کہ بندہ جہاں رہے، اللہ کو اپنے ساتھ محسوس کرے۔

نظریۂ رنگ و نور کے بانی محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ ماحولیاتی نظام میں نباتات کا کردار اہم ہے۔ نباتات کی پہچان بنیادی طور پر سبز رنگ ہے اور سبز ٹھنڈک کی علامت ہے۔ ٹھنڈک کا متضاد رخ آگ ہے جو درختوں میں موجود لیکن مغلوب ہے۔ درخت میں آگ کی وجہ اس کے اندر تیل کی موجودگی ہے۔ اگر حدت اتنی زیادہ ہو جائے کہ لکڑی کی مقداریں ٹوٹیں اور تیل کا غلبہ ہو جائے تو تیل سے جو شے ٹکرائے گی، اس کی رگڑ سے آگ پیدا ہو گی۔ آگ کا غالب رنگ سرخ ہے۔ سبز اور سرخ—لکڑی میں منفی اور مثبت چارج کی علامت ہیں۔ مثبت اور منفی چارج ایک دوسرے میں جذب ہوتے یا ایک دوسرے سے رگڑ کھاتے ہیں تو ایندھن بنتا ہے جس کو ہم سانس لینا کہتے ہیں۔

عظیمی

روغن گلوسبز

پُرسکون نیند لاتا ہے
سر کے جملہ امراض اور
ہائی بلڈ پریشر میں مفید ہے
چاند کی کرنیں جذب کر کے تیار کیا جاتا ہے

125ml
Rs.380

پاکستان بھر میں ہوم ڈیلوری کی سہولت

0332 308 5058

گلستان احمد

اضطراب

کسی سے پوچھیں کہ تمہیں کیا دکھ ہے تو وہ مسائل کی فہرست گنوا دیتا ہے مگر دکھ کے اصل سبب کا ذکر نہیں کرتا۔

زمین و آسمان میں عجائبات کا مطالعہ کیا جائے تو تمام اشیا وسائل ہیں اور ان سے مخلوقات کے تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ محض ان وسائل کا استعمال ہو جن کا تعلق جسمانی تقاضوں سے ہے تو اس سے فرد کا زمین سے جسمانی ربط قائم ہوتا ہے مگر ذہنی و قلبی ربط کے مراحل اور ہیں۔

سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ دنیا کی زندگی کا مقصد کیا ہے—؟ کائنات میں ہر مخلوق کے اندر کسی مقصد کی تکمیل کا پیٹرن ہے اور وہ اس سے آگاہ ہے لیکن میں، نوعِ آدم جب اپنے اندر دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی زندگی بھیڑ چال نظر آتی ہے۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے دنیا میں آنے کا مقصد بھلا کر لایعنی مقاصد کو زندگی بنالیا ہے۔ اس میں کم یا زیادہ پڑھے لکھے کی تفریق نہیں، سب جسمانی تقاضوں کے اسیر نظر آتے ہیں۔ جب ہم عمر کے اس حصے میں پہنچتے ہیں جس کے بعد یہاں سے جانا ہے تو دماغ کی اسکرین پر دھند چھا جاتی ہے اور دنیا کو چھوڑنے کا خیال مایوسی بن جاتا ہے۔ اگر ہماری طرزِ زندگی اچھی ہے تو انجام سے خوف کیوں آتا ہے؟

آدمی سکون کا متلاشی ہے مگر کام بے سکونی کے کرتا ہے۔ ذہنی انتشار اور اضطراب کے عذاب سے چھٹکارے کے لئے خود کو ان مشاغل میں مصروف رکھتا ہے جو انتشار پیدا کرتے ہیں۔ وقت گزر جاتا ہے مگر سکون نہیں ملتا کہ ایسے مشاغل کی بنیاد کہیں نہ کہیں دنیا پرستی ہے۔ نسلیں اپنے اجداد کی پیروی کرتی ہیں اور ان کے طریق کو کامیابی قرار دیتی ہیں اس لئے ان کا انجام بھی اپنے اجداد سے مختلف نہیں ہوتا۔

کسی سے پوچھیں کہ تمہیں کیا دکھ ہے تو وہ مسائل کی فہرست گنوا دیتا ہے مگر دکھ کے اصل سبب کا ذکر نہیں کرتا۔

حقیقت میں نوعِ آدم کا سب سے بڑا دکھ عدم معرفت ہے۔ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے اور ہم اسی فریضے سے غافل ہو کر باقی سارے کام کر رہے ہیں۔ نتیجے میں بے چین اور ایسی نفسیاتی الجھنوں اور جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہیں جن کا علاج میڈیکل سائنس کے پاس نہیں۔

بظاہر اس کی وجہ خاندانی مسائل ہوں یا معاشی ماحول، سب کے تانے بانے روحانی تقاضوں کی عدم تکمیل سے ملتے ہیں۔ روح کا واحد تقاضا اللہ کی معرفت ہے جو اگر پورا نہیں ہوتا تو آدمی، آدمی نہیں رہتا — باشعور انسان وہ ہے جو ذہنی، جسمانی، قلبی اور روحانی تقاضے سمجھتا ہے۔

دنیا کی تاریخ پڑھیں — ایسا لگتا ہے کہ مقتدر حلقوں نے ذاتی مفاد کی خاطر عوام کو بے شعور رکھا۔ وہ ممالک جو دوسری اقوام پر قابض ہوئے انہوں نے سب سے پہلے ان کے نظامِ تعلیم کو بانجھ کیا۔ پھر ہوا یہ کہ مقبوضہ قوموں نے لکھنا پڑھنا تو سیکھ لیا مگر دماغ گہرائی میں سوچنے سے عاری ہو گیا۔ وہاں تحقیق ہوئی نہ ایجادات بلکہ ذہنی غلامی مقدر بن گئی۔

راقم الحروف کے نزدیک مادے (matter) کی حد تک کیسی ہی ایجادات کی گئی ہوں، فکر جب تک matter سے ماورا نہیں ہوتی، گہرے پانی سے دور، لبِ ساحل پر رہتی ہے۔ شعوری نشوونما یہ ہے کہ وہ لاشعور سے واقف ہو ورنہ بے شعور رہتا ہے۔

کسی ادارے کے قیام کے پیچھے مقصد ہوتا ہے۔ بڑا مقصد وہ ہے جس سے بلا تفریق سب کو فائدہ ہو اور چھوٹا مقصد یہ ہے جو افرادِ معاشرہ کو طبیعیات یا ظاہری چیزوں میں مقید کر دے۔

برصغیر پاک و ہند کی مٹی صوفیائے کرام کی خدمات سے زرخیز ہے اور مہک رہی ہے۔ یہاں بڑی بڑی روحانی ہستیاں تشریف لائیں اور لوگوں کو محبت اور عرفانِ الٰہی کا پیغام دیا۔ بلاشبہ یہ بڑا مقصد تھا جس کا منشا انفرادی و اجتماعی سطح پر اعلیٰ اخلاقی قدروں اور روحانی معاشرے کی تعمیر تھی تاکہ لوگ matter کے پسِ پردہ دنیا دیکھ لیں۔

جب ہندوستان کے طول و عرض میں روحانی

قدریں پھیل گئیں تو اخلاقی و روحانی طرزوں پر قوم کے اذہان تیار ہوئے، بھائی چارے کی فضا قائم ہوئی، وسائل میں برکت ہوئی اور اعلیٰ قدریں معاشرے کے لئے ڈھال بن گئیں۔

جب غیر ملکیوں نے وسائل پر قابض ہونے کے لئے اِدھر کا رخ کیا تو پہلے اس کے طول و عرض کا سفر کیا۔ معاشرتی رسوم و روایات اور تعلیمی اقدار کا جائزہ لے کر جو نتیجہ اخذ کیا، اسے لارڈ میکالے نے 2 فروری 1835ء کو اپنے ملک کے ایوان میں پیش کیا۔ یہ طویل خطاب تھا جس کے مندرجات کی نقل نیشنل آرکائیو آف انڈیا میں موجود ہے۔ مختصر خلاصہ یہ ہے،

"میں نے ہندوستان کے طول و عرض میں سفر کیا اور ایک بندہ ایسا نہیں دیکھا جو گداگر یا چور ہو۔ یہاں لوگ ذہین و فطین ہیں، دولت بے شمار ہے اور اخلاقی قدریں اعلیٰ ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ اس خطۂ ارض کو فتح کیا جاسکتا ہے۔ ہاں! اگر اس قوم کی ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگا دی جائے جو دراصل ان کا روحانی اور ثقافتی ورثہ ہے تو ہم ان پر غالب آجائیں گے۔ لہٰذا تجویز ہے کہ ان کا تعلیمی اور ثقافتی نظام جو صدیوں کا تسلسل ہے، اسے بدل دیا جائے۔ جب ان کے ذہنوں میں یہ بات اتر جائے گی کہ غیر ملکی زبان اور ہر وہ شے جو باہر سے آتی ہے، ہم سے اچھی ہے تو یہ اپنی ثقافت، تہذیب، عزتِ نفس اور خود اعتمادی کھودیں گے۔ پھر یہ وہی کریں گے جو ہم چاہیں گے اور حقیقی معنوں میں زیر دست ہو جائیں گے۔"

یہ تاریخ سے ایک مثال ہے کہ جو قومیں اپنے ورثے سے روگردانی کرتی ہیں، وہ اپنا وقار کھو دیتی ہیں پھر صدیوں اس کے نتائج بھگتتی ہیں۔

قارئین، آیئے اب اس تصویر کو بڑے کینوس پر دیکھتے ہیں۔

نوعِ آدم دنیا کے تمام خطوں میں آباد ہے۔ آب و ہوا اور مٹی کی وجہ سے رنگ و نسل کا فرق ہے لیکن ابتدا ابّا آدمؑ اور اماں حوّاؑ سے ہوئی ہے۔ اس حیثیت سے سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، آپس میں بہن بھائی ہیں اور زمین پر ایک نسل اور ایک قوم ہیں۔ ابّا آدمؑ اور اماں حوّاؑ کی اولاد کی حیثیت سے ہمارا ورثہ علم ہے۔ علم یہ کہ اللہ نے ہمیں اپنی معرفت عطا کی ہے اور زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

"اور ہم نے آدم کو علم الاسماء عطا کیا۔"

(البقرۃ: ۳۱)

آدمی کو دنیا میں اپنے ازلی شرف "معرفت" کے لئے بھیجا گیا ہے مگر ہم نے روح کی اقدار یا ضمیر کی آواز کے بجائے، ان اقدار کو اپنا لیا ہے جن سے زمین پر ہمارا وقار ختم ہو گیا ہے اور ہم اسفل سافلین کے درجے میں آ گئے ہیں۔

قدرت نے ہمیں روح عطا کی،
ہم نے لباس کو اصل سمجھ لیا۔
قدرت نے ہمیں تخلیقی علوم سے نوازا،
ہم نے جہالت اور لاعلمی کا طوق سجا لیا۔
قدرت نے ہمیں سکون عطا کیا،
ہم نے بے سکونی کو گلے لگا لیا۔
قدرت نے ہمیں در دیا
لیکن ہم نے دربدری کو اپنا لیا۔
اب جائے امان ملے تو کیسے ؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متوجہ کیا ہے،

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے پاک بات کی کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لئے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں۔ اور ناپاک بات کی مثال بری ذات کے درخت کی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ اس کے لئے کوئی استحکام نہیں ہے۔ اللہ ایمان لانے والوں کو ایک قولِ ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت میں ثبات عطا کرتا ہے اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے۔" (ابرٰھیم: ۲۴-۲۷)

وہ قوم جو زمین یا شے کے باطن (جڑیں) کو دیکھ لیتی ہے، وہ ان اقدار کی حفاظت کرتی ہے جن کے ساتھ اللہ نے مخلوق کو کائنات میں پیدا کیا اور حواس کو متحرک کیا ہے — ان کی فکر کا رخ آسمان یا بلندی کی جانب ہو جاتا ہے اور قانون کے مطابق ایسی قومیں اپنے رب کے حکم سے پھل دیتی ہیں۔ جب قدم معرفت کی جانب اٹھتے ہیں تو جس مقام پر آدمی رہتا ہے، پہلے وہاں کے پردے اٹھتے ہیں پھر آگے کا سفر شروع ہوتا ہے۔ جب تک عدم معرفت کا دکھ رہے گا، آدمی کا خوف و غم اور تکلیف ختم نہیں ہوگی۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"سن رکھو! بے شک اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔" (یونس:۶۲)

بی بی انورادھا

آدمی مٹی ـــ انسان موجِ دریا

چھوٹی بچی کی کہانی یاد آئی جو دادی اماں نے سنائی تھی۔ دادی اماں کہتی تھیں کہ بچی اللہ کی مخلوق کی مدد کے لئے دنیا کے سفر پر نکلی تھی اور اسے خدمت کا بہترین صلہ ملا۔

نیند سے جاگی تو ماتھے پر پسینہ، ہاتھوں میں کپکپاہٹ اور دل کی دھڑکن تیز تھی۔ حواس بحال ہونے میں وقت لگا لیکن یہ جان کر اطمینان ہوا کہ جو دیکھا ـــ وہ خواب تھا۔ بے ساختہ اللہ کو پکارا، کوتاہیوں پر معافی طلب کی اور نعمتوں پر شکر ادا کیا۔

میں نے پڑھا تھا کہ خواب بیداری کے متبادل زندگی ہے اور یہ لاشعور میں گزرتی ہے۔ لاشعور میں گزرے لمحات کے جو نقوش حافظے میں رہ جاتے ہیں، وہ بیداری کی زندگی کا پرتو ہیں۔ دن بھر کی مصروفیات، اس دوران دَور کرنے والے خیالات اور ان خیالات پر ہمارا ردِّ عمل کیا ہوتا ہے، ان کے نقوش نیند کی دنیا میں مختلف علامات میں ظاہر ہوتے ہیں۔

خواب کے بارے میں سوچتے ہوئے بستر سے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ خیال آیا کہ میں نے بیداری میں ایسا کیا کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ڈراؤنا خواب ہے ـــ؟ فوری طور پر کوئی بات یاد نہیں آئی۔ اس عزم کے ساتھ بستر سے اٹھی کہ مجھے حاضر ذہن سے اپنے معمولات کا جائزہ لینا ہے کہ کون سا عمل یقین سے دور کر کے خوف سے قریب کر رہا ہے۔

چائے کا کپ لے کر لان میں پودوں کے پاس گئی تو یہ دیکھ کر پریشان ہوگئی کہ بیشتر پودوں اور بیلوں کو کیڑا لگ گیا تھا۔ ان کی نشوونما کے لئے کتنی محنت کی تھی لیکن جب پھول کھلنے اور پھل دینے کا وقت آیا تو کیڑوں کی نظر لگ گئی۔

چائے کا کپ میز پر رکھ کر قریب سے جائزہ لیا تو درجنوں سنڈیاں سبز دسترخوان پر بیٹھی ہوئی

تھیں۔ ان کے جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ اپنی برادری کو دیگر پودوں پر آباد کرنے کی منصوبہ بندی کررہی تھیں۔ مجھے باقی پودوں کی حفاظت کرنی تھی اور سنڈیوں کو بھی نقصان سے بچانا تھا۔ انہیں احتیاط سے اٹھا کر بڑے پتّے پر رکھا اور کہیں چھوڑ آئی۔

واپس آکر میں نے ایک خراب حال پودے سے افسردہ لہجے میں کہا، اب سے کچھ دیر پہلے مجھے علم نہیں تھا کہ تمہیں کیڑے کھارہے ہیں، اسی طرح میں اس بات سے بھی ناواقف ہوں کہ مجھے کیا چیز کھارہی ہے۔ ایک مہربان نے سکون، طمانیت اور خوشی کی نازک ٹہنیوں کا بیج اندر میں بویا۔ جب پھول کھلنے کا وقت آیا ہے تو میں یہاں ننگے پیر کھڑی ہوں۔ کوئی ٹہنی نظر آتی ہے نہ پھول — بالکل تمہاری طرح اے میرے عزیز پودے!

تخیل میں دیکھا یا واقعتاً محسوس کیا کہ پودوں نے جنبش کی جیسے کہا ہو — ہم تمہارے جذبات سمجھتے ہیں۔

لان کے دیگر حصوں کا جائزہ لینے پر پرندوں کے برتن (کونڈے) کے قریب اناج کے دانے بکھرے ہوئے دیکھے — چیونٹیاں جمع تھیں۔ ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں۔ کل لان کی صفائی کی تھی اور آج پھر یہ حال ہے۔ ہر شے سکون کو منتشر کررہی تھی — میں تھک گئی تھی۔

مجھے اس بچی کی کہانی یاد آئی جو دادی اماں نے سنائی تھی۔ دادی کہتی تھیں کہ بچی اللہ کی مخلوق کی مدد کے لئے دنیا کے سفر پر نکلی تھی اور اسے خدمت کا بہترین صلہ ملا۔

بچپن کی کہانیوں سے ہمیشہ اچھے کاموں کی ترغیب ملی۔ خدمت کے جذبے سے سرشار بچی کی کہانی کا حافظے میں ابھرنا اتفاق نہیں تھا۔ مسکرا کر خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کی۔

گھاس پر سے اناج کے دانے چن کر پرندوں کے برتن میں واپس ڈالے تو سرگوشی ہوئی — چیونٹیوں کے لئے اناج رکھنا مت بھولنا۔

کچھ دانے واپس گھاس پر بکھیر دیئے۔

چائے کا کپ رکھنے باورچی خانے میں آئی تو ایک اور پریشانی منتظر تھی۔ چاول ابل گئے تھے، پانی برتن سے باہر آرہا تھا اور گیس ضائع ہورہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر چولہا بند کیا۔ پے در پے واقعات سے اندر کی رفتار تیز ہوگئی اور غصے

سے جسم پر کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔

جس روز پہلی مرتبہ کھانا پکانے کے ارادے سے باورچی خانے میں قدم رکھا تھا، اماں نے نصیحت کی تھی کہ کاؤنٹر پر پھیلے برتن اور سامان کے بجائے خوش بو سے پتہ چلنا چاہئے کہ تم نے کیااور کیسا کھانا پکایاہے۔

کم عمری سے نظم وضبط اور صفائی کی عادت کی وجہ سے طبیعت پر بے ترتیبی گراں گزرتی تھی۔ باورچی خانے کا حال بتارہا تھا کہ پیاز اور چقندر نے لڑائی کی ہے — گاجر، لہسن اور پھول گوبھی نے بیچ بچاؤ کرایا ہے جب کہ مرچ، ٹماٹر اور دھنیا دونوں فریقین کو زور و شور سے داد دینے میں مصروف تھے۔ میں نے مسکراتے ہوئے برتن سمیٹے اور صفائی میں مشغول ہو گئی۔

الارم بجا— مچھلیوں کے کھانے کا وقت ہو گیا تھااور وہ پھرتی سے پانی میں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں اچھل کر بتارہی تھیں کہ پانی خلا ہی خلاہے۔ احتیاط سے کھاناڈالا کہ کہیں مچھلیاں گھبرا نہ جائیں۔ کھاناڈال کر پیچھے ہٹی تھی کہ پالتو بلّی تیزی سے آئی اور پیروں میں لوٹ پوٹ ہونے لگی۔ قدم لڑکھڑائے مگر میں نے خود کو سنبھال لیا۔ غصے کی ایک لہر اٹھی کیوں کہ بلّی کی حرکت سے مچھلیوں کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

گھور کر کہا، کیاکر رہی۔۔۔

جملہ پورا ہونے سے پہلے بلّی نے پیروں پر سر رکھ دیا— میرا غصہ غائب ہوگیا۔ اگلے لمحے، میں ایک بدلے ہوئے شخص کی طرح مسکراتے ہوئے جھکی اور پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے سمجھایا کہ دیکھو! ایسی شرارت نہیں کرتے جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

اتنے میں بیٹی کی چیخ بلند ہوئی۔ تیزی سے اس کے کمرے کی طرف دوڑی۔ بیٹی کے ہاتھ میں ٹوتھ برش تھا اور وہ حواس باختہ واش روم کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

پوچھا، پھر کوئی اڑنے والا کیڑا آ گیا؟

بیٹی نے اثبات میں سر ہلایا۔

کیڑے مار دوالائی اور واش روم میں چھڑکتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولی، گھر کے اندر اور باہر کیڑوں نے پریشان کر دیا ہے۔ ان کی افزائش اتنی تیزی سے کیوں ہوتی ہے؟

آفس جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ میں کاؤنسلنگ کرتی ہوں۔ اس پیشے سے وابستہ ہو کر سیکھا کہ

مشورہ دینے سے پہلے مقابل کی پوری بات اور حالات سننا ضروری ہے۔ اعتماد کی فضا قائم ہوتی ہے تو وہ دل و جان سے مشورہ قبول کرکے خود کو بدلنے اور مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

لوگوں کو جذبات کے اظہار کا موقع دیتی ہوں چاہے بات کتنی غیر حقیقی کیوں نہ ہو۔ جب اندر کا غبار نکلتا ہے اور فرد خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے، تب میں اس کے سامنے غیر جانب دار نقطۂ نظر رکھتی ہوں۔

شیڈول کے مطابق آج تین ملاقاتیں تھیں یعنی تین لوگوں سے سیکھنے کا موقع ملنا تھا۔ اکثر محسوس ہوتا ہے کہ جو لوگ کاؤنسلنگ کے لئے آتے ہیں، وہ زندگی کے چھوٹے بڑے سبق سکھا کر جاتے ہیں۔ ان سے مل کر خود کو حاصل نعمتوں کا احساس ہوتا ہے اور اپنے بعض مشورے خود میرے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

ملاقاتیں ختم ہوتے شام ہو گئی۔ بے تابی سے گھر پہنچنے کا انتظار تھا۔ اگلی مصروفیت میرے دن کے بہترین وقت میں شمار ہوتی تھی — مرشد کی کتابوں اور لیکچرز کا مطالعہ۔

آڈیو لیکچر سننے کے لئے ایئر فون کانوں سے لگایا، کان میں درد کی تیز لہر اٹھی۔ شدت اس قدر تھی کہ ایک لفظ سن نہ سکی۔ سننے کے ساتھ پڑھنے میں بھی دشواری پیش آئی تو رونا آ گیا۔ میں بے بس تھی۔ ارتکاز کی کوشش پر آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجاتا۔ معلوم نہیں کیا ہو رہا تھا، ایک لفظ بھی پڑھ نہ سکی۔

کسی نے دستک دی۔ دستک کے وزن سے احساس ہوا کہ یہ منفی سوچیں ہیں جو مایوسی کی بو محسوس کرتے ہی آگئی ہیں۔

ان کو نظر انداز کرنے کے لئے "یاحی یاقیوم" کا زیرلب "ورد" شروع کیا۔ دماغ میں جس قدر شور بڑھ رہا تھا، "ورد" میں اتنا ٹھہراؤ تھا۔ منفی سوچوں کی خواہش تھی کہ انہیں سنا جائے لیکن تہیہ کرلیا کہ ان کو غالب نہیں آنے دوں گی — پھر شور بے شور ہو گیا۔

ایک طویل دن کے اختتام پر دن بھر کے واقعات کی فلم اندر میں دیکھی تو جذبات کا ایک سمندر تھا جو بیرونی تحریک سے طغیانی کا اظہار چاہتا تھا — سب سے پہلے سنڈی زدہ پودوں کی تصویر ذہن میں بنی اور ایک بار پھر افسوس کی لہر اندر میں اٹھی کہ انہوں نے محنت ضائع کردی۔

کسی نے کہا، تمہیں تتلیاں، پروانے اور شہد کی مکھیوں کالان میں آنا پسند ہے مگر یہ بھول گئیں کہ حشرات کا بھی لائف سائیکل ہے۔ اگر ان کے لائف سائیکل کو ماحول سے تعاون نہ ملے تو قریب دور پودوں میں زردانوں کو منتقل کرنے والے حشرات ختم ہو جائیں گے اور ماحولیاتی نظام کو نقصان پہنچے گا۔ کونپلیں اور ٹہنیاں لاروؤں نے کھالیں تو کیا ہوا—پودا دوبارہ اگ آئے گا۔ اگر آج کا دن اچھا نہیں گزرا تو کوئی بات نہیں، باقی دنوں کی طرح، یہ دن بھی گزر جائے گا۔ اچھے اور برے کسی دن کو ہیشگی نہیں۔

ذہن پرندوں کے برتن کی طرف گیا تو بلند آواز سے کہا، یااللہ! آپ کا شکر ہے کہ راہ نمائی فرمائی اور میں نے اناج کے دانے چیونٹیوں کے لئے چھوڑ دیئے۔ یہ قدرت کا نظام ہے کہ ایک جانب ہوا دانے بکھیرتی ہے اور دوسری جانب پرندوں کی چونچ سے اناج گر جاتا ہے جو زمین پر حشرات کی خوراک بنتا ہے۔

کچھ دانے کھل کر پودے بن گئے ہیں۔ یقیناً ان پودوں کا کوئی مصرف ہوتا ہے ورنہ یہ پیدا نہ ہوتے۔ رب العالمین اللہ جس طرح اپنی مخلوق کی کفالت کرتا ہے، میں اس میں مداخلت کرنے والی کون ہوں؟

آنکھیں پانی سے بھر گئیں جب ادراک ہوا کہ اناج کے دانوں کا زمین پر بکھرنا ایک عظیم مقصد اور پروگرام کے تحت ہے۔

اب باورچی خانے کی فلم ظاہر ہوئی۔

مجھے تحمل، صبر اور یقین کی ضرورت ہے۔ اگر میں باورچی خانے میں دس منٹ بعد داخل ہوتی تو وہ مجھے صاف ملتا۔ یقین ہونا چاہئے کہ گھر میں موجود دیگر افراد بھی اتنے ہی منظم ہیں جتنی میں ہوں۔ برتری کے خود ساختہ تصور کی وجہ سے دوسروں کی صلاحیتوں پر شک کیا۔ ایسا کر کے بتانا چاہتی تھی کہ میں ان سے اچھی ہوں۔

بلّی کا خیال آیا۔ اگر اس کے اظہارِ محبت پر توجہ نہ دی ہوتی تو اسے میرے الفاظ سے تکلیف پہنچتی۔ سبق یہ ملا کہ نتیجے کے بجائے ارادہ دیکھنا چاہئے۔ بلّی کا ارادہ مچھلیوں کو نقصان پہنچانے کا نہیں تھا، وہ میری توجہ حاصل کرنے اور محبت کا اظہار کرنے آئی تھی۔

پھر کانوں میں درد اور آنکھوں کی تکلیف یاد آئی تو درد کے احساس کو نظر انداز کر کے کانوں اور آنکھوں کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے کچھ دیر کے لئے مجھے کام کو اس طرح کرنے سے روکا

جس طرح میں چاہتی تھی۔ اگر میں معمول کی طرح ظاہری سماعت و بصارت سے مدد لیتی تو حواس کا اندر میں استعمال کیسے سیکھتی___؟

تجربے سے یہ ادراک بھی ہوا کہ دن رات کے معمولات فلم کی طرح ریکارڈ ہو جاتے ہیں اور ریکارڈ خود کو دہراتا ہے۔

آج کے دن نے سکھایا کہ کسی چیز کو قبول یا رد کرنے سے پہلے فطرت کے نظام کو دیکھنا چاہیئے۔ اس طرح آدمی غصے اور منفی جذبات سے بچ جاتا ہے اور خواب پریشان نہیں کرتے۔

خود سے عہد کیا کہ ہر دن آگاہی اور تسلیم و رضا کے ساتھ گزاروں گی۔

"جب سوچتی ہوں کہ میں سمندر ہوں تو موجوں سے متاثر ہو جاتی ہوں۔ جب دیکھتی ہوں کہ میری حیثیت شاہد کی ہے جو سمندر کو دیکھ رہا ہے تو موجوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتی ہوں کہ یہ جینے کی امنگ پیدا کرتی ہیں۔ جب میں واقعات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی ہوں تو یہ زندگی (سمندر) کے گہرے پانی میں غوطہ لگانے جیسا ہے اور جب میں خود کو سمندر کے بہاؤ کے سپرد کر دیتی ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ میں محفوظ ہاتھوں میں ہوں___اور یہ اندر کی آواز ہے۔"

رات کو اچھی نیند آئی۔ صبح جاگی تو ہشاش بشاش تھی۔ سکون سے معمور رات ___ شکر سے معمور دن کا عکس ہے۔ دنیا میں خوش رہنے سے بعد کی دنیا میں خوشی کے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔

ایک منٹ ___ چھ مہینے

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھے نصیحت فرمائی___خواجہ صاحب! مراقبہ میں ناغہ نہ کیا کریں۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا۔ ایک منٹ کے تصرف کے لئے بعض اوقات چھ چھ مہینے انتظار کرنا پڑتا ہے لیکن جب ہمیں یہ ایک منٹ ملتا ہے اور ہم سالک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو سالک سو رہا ہوتا ہے یا کھیل کود میں مشغول ہوتا ہے۔ چھ مہینے کے بعد اسے جو دولت نصیب ہونے والی تھی، اس نے وقت کی پابندی سے اسباق اور مراقبہ نہ کرکے اس نعمت کو ضائع کر دیا۔ اب نہ جانے کب تصرف کا وقت آئے۔ (کتاب: تذکرہ خواجہ شمس الدین عظیمی)

زاہدہ تبسم

ایک درخت میں 40 مختلف پھل

فارمولا شے کا باطن ہے۔ باطن جس تصرف کو قبول کرتا ہے، اس کا مظاہرہ ہوجاتا ہے۔

2008ء میں امریکا کی ریاست نیویارک کی یونیورسٹی Syracuse میں آرٹ کے پروفیسر نے انوکھا پروجیکٹ شروع کیا۔ پروفیسر صاحب کی خواہش تھی کہ کسی ایک درخت پر بہت سے پھل دار درختوں کی پیوند کاری کی جائے۔

نباتات میں پیوند کاری* کے لئے کسی درخت کی ٹہنی لے کر اس کو تراشتے ہیں اور دوسرے درخت کی تراشی ہوئی ٹہنی یا تنے سے منسلک کر دیتے ہیں۔ کچھ عرصے بعد قلم لگی ہوئی ٹہنی اس درخت کا حصہ بن کر نشوونما پاتی ہے۔ اس عمل کا مقصد ایک شے میں متعدد اشیا کا حصول ہے۔ مثلاً اپنی پسند کے رنگ اور خوش بو کے حامل پھول، ذائقہ دار، غذائیت سے بھرپور اور بہتر قوتِ مدافعت رکھنے والے نباتات حاصل کرنا۔

پروفیسر صاحب نے ایک درخت کا انتخاب کیا اور آٹھ نو سال تک گٹھلی دار* پھلوں مثلاً آڑو، خوبانی، چیری، بادام وغیرہ کی پیوند کاری کی۔ ان کا تصور مظہر بنا اور نایاب درخت 40 اقسام کے پھل دینے لگا— اب تک ایسے کئی درخت لگائے جاچکے ہیں۔

ایک قسم کے پھل دینے والا درخت ایک فارمولا، ایک معین مقدار ہے۔ پیوند کاری کے نتیجے میں 40 اقسام کے پھل دینے والا درخت 40 اقسام کی معین مقداریں ہیں۔

کائنات ظاہری اور باطنی مقداروں کا مجموعہ ہے۔ مقدار کا مصدر یا بنیادی مادہ* لفظ قدر ہے۔ اس کا لغوی معنی ایک مقدار کا دوسری مقدار

---

* پیوند کاری(Grafting) * گٹھلی دار پھل(Stone Fruits) * بنیادی مادہ(Root word)

سے موازنہ کرکے تعین یا تعارف حاصل کرنا ہے یعنی سیب کا موازنہ آم سے کرنا اور دونوں کا منفرد تشخص ذہن میں رکھنا۔

علمِ نباتات کی رُو سے مذکورہ 40 اقسام کے درخت Prunus نامی ایک ہی Genus* سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک ہی جنس یا قسم میں زیادہ کامیابی سے پیوند کاری ہوجاتی ہے اس لئے مذکورہ اقسام میں ہم آہنگی اور ربط قائم ہوگیا کیوں کہ 'بنیادی درخت' نے ان سے تعاون کیا اور تجربہ کامیاب رہا۔

اس تجربے کے بنیادی میکانزم کو سمجھنے کی مدد قرآن کریم میں غور و فکر سے ملتی ہے۔

"اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے نباتات اگائیں ۔ پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کئے۔ پھر ان سے تہ بر تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کئے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت غور سے دیکھو۔ ان میں ایمان لانے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔"

(الانعام: ۹۹)

اشیا کی صفات مختلف یا منفرد محسوس ہوتی ہیں لیکن فارمولا تبدیل نہیں ہوتا۔ فارمولا دراصل شے کا باطن ہے۔ باطن جس تصرف کو قبول کرتا ہے، اس کا مظاہرہ ہوجاتا ہے۔

تمام جانداروں میں گروہ بندی ہے، منفرد خصوصیات کی بنیاد پر برادریاں اور خاندان ہیں۔ نقوش بظاہر الگ ہیں لیکن بنیادی عوامل یکساں ہیں۔ ٹماٹر، آلو اور بینگن کا تعلق نباتات کے ایک ہی خاندان سے ہے مگر انفرادی مقداروں کی وجہ سے یہ الگ نظر آتے ہیں۔ کچھ مقداریں ایسی ہیں جو ان میں مشترک ہیں، اس وجہ سے ماہرین انہیں ایک خاندان شمار کرتے ہیں۔

ایک بار پھر Syracuse یونیورسٹی کے شاہکار درخت پر غور کرتے ہیں۔ مخصوص مقداروں

* Genus (جنس۔ درجہ بندی کے لحاظ سے جانداروں کا گروپ جو ایک یا زیادہ انواع یعنی species پر مشتمل ہوتا ہے۔)

میں اشتراک کی وجہ سے یہ درخت اُن درختوں سے ہم آہنگی رکھتا ہے جن کی قلمیں اِس میں لگی ہوئی ہیں۔ سب نے ایک بنیادی درخت کو قبول کیا اور پھل دے رہے ہیں۔

نباتات و حیوانات میں مقداروں کے استعمال کی ایک مثال Hybridization کا طریقہ ہے۔ اس میں نباتات کے ایک ہی خاندان کے دو مختلف پودوں کا ملاپ ہوتا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اس طرح پودے کی حاصل شدہ نئ قسم اپنے والدین سے بہتر خصوصیات رکھتی ہیں۔

مخلوط حیوانات (Hybrid Animals) میں ایک مثال "Liger" ہے جو نر Lion اور مادہ Tigress کے ملاپ کا نتیجہ ہے۔ یہ عمل مختلف Genus میں ممکن نہیں۔ مثلاً Whale اور بلی یا طوطے اور مینڈک کا ملاپ نہیں ہوسکتا۔

بنیادی مقدار ایک ہے مگر انفرادی مقداروں میں تصرف سے نئ نئ صورتیں بن رہی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ تصرف ایک قانون کے تحت ہے اور ایک ہی گروپ سے منسلک جانداروں میں ہے۔ مثلاً اونٹ سے بیل نہیں پیدا ہوتا اور بکری سے کبوتر کی پیدائش ممکن نہیں۔

جینیاتی سطح پر بھی مقداروں میں تصرف کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں جین تھراپی اور ٹرانس جینیس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

ساخت اور کارکردگی کے لحاظ سے تمام جانداروں کے خلیات (cells) مماثلت رکھتے ہیں تاہم DNA کی مخصوص ساخت اور ترتیب ان کو منفرد بناتی ہے۔ جسامت کے لحاظ سے DNA کا حجم کم ہوتا ہے مگر تمام جسمانی افعال اور صفات کا تعین یہی کرتا ہے۔

DNA کے مخصوص حصے یعنی جینز وراثتی اکائیاں ہیں۔ کسی اہم جین کا غائب ہونا یا خراب ہونا متعلقہ عضو کا اہم فعل متاثر کرسکتا ہے۔ جین تھراپی میں متاثرہ جین کی جگہ صحت مند جین منسلک کرنے سے بیماری دور ہوجاتی ہے۔

آیئے امام سلسلہ عظیمیہ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات کی روشنی میں مقداروں میں تصرف کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک دفعہ حضور قلندر بابا اولیاؒ روشنی کی لہروں کے اتار چڑھاؤ، لہروں کے ردّوبدل اور لہروں کی مقداروں میں کمی بیشی سے تخلیق کے قانون کی وضاحت فرمارہے تھے۔ آپ یہ بتارہے تھے کہ

مقداروں کے رڈوبدل سے تخلیق میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور کائنات میں موجود ہر شے ان ہی لہروں کے تانے بانے سے بُنی ہوئی ہے۔ جب نورانی لہریں نزول کر کے روشنی بنتی ہیں تو مختلف مظاہر وجود میں آجاتے ہیں۔ مادہ دراصل روشنیوں کا خلط ملط ہے۔

مثال میں نمک کا تذکرہ آیا اور نمک میں کام کرنے والی روشنیوں کا عمل دخل زیر بحث آیا تو شاگرد رشید نے عرض کیا، حضور! اس کا مطلب ہوا کہ آدمی کے اندر نمک کی لہریں ہر وقت متحرک رہتی ہیں، نمک کی لہریں آتی رہتی ہیں، ذخیرہ ہوتی رہتی ہیں اور خرچ ہوتی رہتی ہیں؟

فرمایا، خواجہ صاحب! نمک جسم کے مسامات سے خارج ہوتا رہتا ہے اور جب مقداروں کے مطابق خرچ نہیں ہوتا تو بلڈ پریشر کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور مقداروں سے زیادہ خرچ ہوتا ہے تو low بلڈ پریشر لاحق ہو سکتا ہے۔

خواجہ صاحب کٹورے میں پانی بھر لائے اور عرض کیا، یا شیخ! جب مسامات سے نمک خارج ہوتا رہتا ہے تو پانی میں انگلیاں ڈالنے سے پانی نمکین ہوتا ہوگا۔۔۔؟ باباصاحبؒ نے کٹورے میں پانچوں انگلیاں ڈال دیں اور کچھ دیر کے بعد ہاتھ نکال کر فرمایا، چکھو۔

یابدیع العجائب! پانی نمکین اور کڑوا تھا۔

کرامت کی تفہیم کے مطابق پانی لہروں کا مرکب ہے اور لہریں روشنی ہیں۔ روشنی میں کمی بیشی کا اثر لہروں پر پڑتا ہے۔ مرکب سے مراد یہ ہے کہ میٹھے اور نمکین پانی میں نمک اور مٹھاس کی مقداریں غالب مغلوب ہیں۔ اگر دونوں کو ملا دیا جائے تو ذائقہ بدل جائے گا۔

قلندر باباؒ نے اپنی انگلیاں پانی میں ڈال کر پانی کے فارمولے میں تصرف کیا جس سے میٹھے پانی میں نمک کی مقداریں غالب آگئیں۔

قارئین! تجربہ ہے کہ پسینہ آئے اور اسے چکھا جائے تو وہ نمکین ہوتا ہے۔

مادی سائنس آلات اور مشینوں کے ذریعے سمندر کے نمکین پانی کو میٹھا کر لیتی ہے۔ دونوں صورتوں میں مقداروں کے غالب اور مغلوب ہونے کا قانون کام کرتا ہے۔

پیش کی گئیں معروضات کا خلاصہ یہ ہے،

۱۔ مخلوق کی مقداریں معین ہیں۔

۲۔ مقداریں مرکب یا مخلوط ہیں یعنی ایک مقدار

میں کئی مقداریں ہیں۔

۳۔ ان میں ردّوبدل سے نئی نئی تخلیقات وجود میں آتی ہیں۔

۴۔ مرکب مقداریں آپس میں تعاون کرتی ہیں۔ مثلاً پانی سے بھرے گلاس میں کنکر ڈالیں تو پانی کی کچھ مقدار تعاون کرتے ہوئے باہر آتی ہے اور کنکر کو اسپیس مل جاتی ہے۔

۵۔ مقداریں غالب اور مغلوب کے قانون کے تحت ظاہر اور اوجھل ہوتی ہیں۔

ارشاد باری ہے،

"ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرو جیسے پانی جسے ہم آسمان سے اتارتے ہیں اور اس سے زمین کا سبزہ (فاختلط) ملا جلا نکلتا ہے۔"

(یونس:۲۴)

آیت میں عربی لفظ فاختلط پر غور کیجئے۔ اس کا مادہ خلط ہے۔ معنی دو یا زیادہ چیزوں کے اجزا کو جمع کرنا یا ملانا ہے۔ تخلیقی فارمولوں کا carrier پانی جب ارض سے ٹکراتا ہے تو نوعیں خلط ملط ہو کر ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً بیج مخلوط مقداروں کا آمیزہ ہے جس میں درخت نظر نہیں آتا لیکن جب اس کو پانی ملتا ہے تو درخت کی مقداریں ترتیب کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔

> حضور قلندر باباؒ نے ایک نشست میں شاگرد رشید سے فرمایا، آپ کو پوری تعلیم حاصل کرنی ہے، قانون یاد کرنا ہے اور فرشتوں کی زبان سیکھنی ہے۔ ہر بات میں خواہ اس کی آپ کے نزدیک اہمیت نہ ہو، تفکر کرنا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ کی بیان کردہ توجیہہ کے مطابق مقداروں کو روشنی کا جال سنبھالتا اور ترتیب دیتا ہے اور نوعی فارمولے کے مطابق یہ جال تخلیقی عوامل کو ایک جگہ جمع کرتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ روشنی کا جال مقداروں کی آمیزش یا ردّوبدل کو قبول کرتا ہے لیکن نوع تبدیل نہیں ہوتی اس لئے کہ اللہ کی سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں۔ اللہ کا نظام ایک قاعدے اور ضابطے کے تحت قائم ہے۔

اگر کوئی تصرف کے قانون کو نظام میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کے لئے استعمال کرتا ہے تو یہ قدرت کے نظام میں دخل ہے اور اس کے بھیانک نتائج سامنے آتے ہیں۔ موجودہ دور میں انسان کے جسم میں جانوروں کے اعضا لگانے کی کوشش جیسے آدمی کو بندر کا دماغ لگانا قدرت کے نظام میں مداخلت ہے۔

لالچ سے پیدا ہونے والے امراض

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے پاس ایک خاتون حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ بیٹے کی دو سال قبل شادی ہوئی ہے۔ شادی سے پہلے کپڑے کی دکان تھی۔ پیسے مجھے لا کر دیتا تھا۔ اب امپورٹ ایکسپورٹ بھی کرنے لگا ہے اور آمدنی بڑھ گئی ہے لیکن مجھے لگے بندھے پیسے دیتا ہے اور باقی اپنے اور بیوی کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیتا ہے۔ میرے پیٹ میں رسولی ہے، بلڈ پریشر بھی رہتا ہے اور عجیب وسوسے آتے ہیں۔ ایسا عمل بتایئے کہ بیٹا تابع فرمان ہو جائے اور سب پیسے مجھے لا کر دے۔

باباصاحبؒ نے خاتون کو شفقت سے سمجھایا کہ "آپ کا بیٹا اب بھی فرماں بردار ہے۔ پیٹ میں رسولی، بلڈ پریشر اور ذہنی انتشار وغیرہ لالچ کے پیدا کردہ امراض ہیں۔ بیٹے کی طرف سے مطمئن رہیں۔ آپ شہد لگی روٹی کھائیں، انشاء اللہ — جلد تندرست ہو جائیں گی اور پُرسکون بھی۔"

حضور قلندر باباؒ نے ذیابیطس کے ایک مریض کو شوگر کنٹرول کرنے کا نسخہ بتایا۔

"تخمِ حیات (اسے اردو میں پنیر، پنجابی میں پنیر ڈوڈی، سندھی میں خم زیرہ اور فارسی میں پنیربا کہتے ہیں۔ ذائقہ میں تلخ، کڑوی اور بو میں بساند ہوتی ہے۔ گول گول بیج ہوتے ہیں) 12 بیج رات کو بھگو دیں، صبح نتھار کر پانی پی لیں۔ ایک ہفتہ تک علاج جاری رکھیں۔"

ان صاحب نے یہ علاج کیا اور ایک ہفتے میں شوگر کنٹرول ہو گئی۔

عابد محمود

اولاد اور مال فتنہ ہے

دنیا کہتی ہے کہ باپ باپ ہوتا ہے اور ماں ماں لیکن جو باپ ماں بن کر بچے کی پرورش کرتا ہے،
اس کے اندر مامتا کہاں سے آتی ہے——؟

سگنل لال ہوتے ہی گاڑیاں رک گئیں۔ جمال نے آگے بڑھ کر کالی ہنڈا اسوک کی ونڈ اسکرین کو کپڑے سے صاف کیا تو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے آدمی نے ناگواری سے بوسیدہ لباس، بے ترتیب میلے بالوں اور جھریوں سے بھرے چہرے پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارا نہ کیا اور بیوی سے کہا، ان لوگوں نے عجیب دھندا بنالیا ہے۔ یہ کہہ کر جیب میں پرس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

بیوی کی نظر شیشہ صاف کرنے والے شخص پر پڑی تو چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اس نے فوراً اپنے شوہر کو دیکھا جو پرس میں بڑے بڑے نوٹوں میں چھوٹا نوٹ تلاش کر رہا تھا۔ دس روپے کا نوٹ ملتے ہی شیشہ نیچے کیا اور دیکھے بغیر پیسے پکڑاتے ہوئے گاڑی آگے بڑھادی۔

جمال نے پیسے لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے تو نظر ڈرائیور پر پڑی——قدم جم گئے، ہاتھ سرد اور نگاہیں ساکت ہوگئیں۔ دس روپے کا نوٹ ہاتھ سے اڑ کر ہوا میں گم ہوگیا۔ اندر میں آندھیاں چلنے لگیں جن میں چور چور کی گونج تھی۔ اس نے ہیجانی کیفیت میں ہتھیلیاں کانوں پر رکھ کر کان بند کرنا چاہے لیکن آواز نہیں رکی۔ رکتی بھی کیسے، یہ اندر سے آرہی تھی۔ ہارن کا شور چور چور کی گونج میں دب گیا تھا۔

سگنل پر موجود ایک گداگر اس کا ہاتھ پکڑ کر فٹ پاتھ کی طرف لے آیا تو جمال کو ہوش آیا۔ اس نے کالی گاڑی تلاش کرنے کے لئے تیزی سے سڑک پر نگاہ دوڑائی لیکن——؟ آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ کتنی دیر خالی نظروں سے گاڑیوں سے بھری ہوئی سڑک کو دیکھنے کے بعد بے جان قدموں سے آگے بڑھا مگر کیا کرتا،

ذہن اسے پیچھے لے جا رہا تھا۔

نذیرے! پڑوس میں لڈّو دے آئے ہو؟

جی صاحب، دے آیا ہوں۔

جمیل صاحب کے گھر بھی دے آؤ۔

نذیرے نے لڈو کی ٹوکری اٹھائی تو جمال بولا، اپنے بچوں کے لئے پورا ڈبّا لے جانا اور ان سے دعا کروانا کہ اللہ مجھے اولادِ نرینہ سے نوازے۔

جمال کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ شادی کے سات سال بعد گھر میں خوشی آنے والی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ شہر کے ہر گھر میں لڈّو بانٹ دے۔ زویا مسکرا رہی تھی۔ نذیرے کے جانے کے بعد بیوی سے کہا، تم نے مجھے وہ خوشی دی ہے جس کا کوئی مول نہیں۔

تیز ہارن پر جمال نے چونک کر پیچھے دیکھا تو ٹرک تھا، وہ ایک طرف ہو گیا۔ ماضی کی فلم چند لمحوں کے لئے رکی اور دوبارہ ماضی میں لے گئی۔

وہ اسپتال کی راہداری میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ کبھی بنچ پر بیٹھتا اور کبھی ٹہلنے لگتا۔ ڈاکٹروں نے زویا کو پیچیدگی کی وجہ سے آٹھویں مہینے میں فوری آپریشن کا مشورہ دیا تھا۔

جب ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر آئی تو اس کا چہرہ دیکھ کر جمال کو سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے مگر ہمیں افسوس ہے کہ آپ کی بیوی.....

ڈاکٹر بات ادھوری چھوڑ کر کندھا تھپتھپاتے ہوئے آگے بڑھ گئی اور جمال وہیں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

وہ کسی چیز سے ٹکرا کر لڑکھڑایا۔ یہ پھلوں کی ریڑھی تھی۔ سیب کے چند دانے زمین پر گر گئے تھے۔ پھل فروش نے دانے اٹھاتے ہوئے کہا، باباجی، کہاں دیکھ کر چل رہے ہو؟ ہوش کرو۔ اسی طرح چلتے رہے تو کسی گاڑی کے نیچے آجاؤ گے۔ خود تو مرو گے اور تمہاری وجہ سے دوسرا مصیبت میں آجائے گا۔

بس پتر! بڑی ظالم دنیا ہے۔ باہر مایوسی اور اندر اندھیرا ہے۔ کہاں دیکھوں!

پھل فروش نے ناگواری سے کہا، اس وقت سامنے دیکھو۔

جمال نے پھیکی مسکراہٹ سے قریب موجود درخت کے تنے سے پشت لگا کر آنکھیں موند

لیں۔ یادوں کا گرداب تیز ہو گیا تھا۔ صبح جو منظر دیکھا تھا، اس کے بعد دل کو کسی پل قرار نہیں تھا۔ اپنا دکھ کس سے کہتا؟

اگلا منظر روشن ہوا ـــ وہ بوجھل پلکوں سے بیٹے فراز کو سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیسے ہی باپ کی آنکھ بند ہوتی، بیٹا رونے لگتا۔ اسے لوری سناتے سناتے تھک گیا مگر بچے کو نیند نہیں آئی۔ فیڈر بنا کر دیا۔ وہ دودھ پیتے پیتے سو گیا۔ آہستہ سے گود سے بستر پر لٹا کر پانی پینے بڑھا تو بچے نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں اور رونے لگا۔ جمال گہرا سانس لیتے ہوئے واپس بستر کی طرف آیا اور تھپکی دے کر سلانے کی کوشش کی۔ ننھے وجود کے چہرے پر فرشتوں جیسی معصومیت تھی۔ بچے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو رگ و پے میں طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔

جمال نے سوچا، دنیا کہتی ہے کہ باپ باپ ہوتا ہے اور ماں ماں لیکن جو باپ ماں بن کر بچے کی پرورش کرتا ہے، اس کے اندر مامتا کہاں سے آتی ہے ـــ؟

نیند میں کہیں دور سے کسی کے رونے کی آواز آئی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ یہ فراز تھا جس نے ڈائپر گیلا کر دیا تھا۔ کھل بند آنکھوں سے ڈائپر اتار کر بچے کو صاف کیا اور نیا ڈائپر پہنا کر دوبارہ سلا دیا۔ اتنے میں مسجد سے اذان بلند ہوئی۔

جمال کی ہر شب اسی طرح گزرتی اور ہر صبح کا یہی آغاز ہوتا۔

بابا جی! روٹی کھاؤ گے؟

آنکھیں کھولیں تو ایک اجنبی ہاتھ میں روٹی لئے کھڑا تھا۔ جمال کے پیٹ میں گرہیں پڑ رہی تھیں۔ بھیگی آنکھیں صاف کرتے ہوئے روٹی لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی روٹی دیکھ کر وہ دن یاد آئے جب زویا توے سے گرم گرم چپاتی اتار کر اس کی پلیٹ پر رکھتی تھی اور وہ ہر نوالے پر تعریف کر کے کھانا کھاتا تھا۔

جمال نے بیٹے کی خاطر دوسری شادی نہیں کی۔ جب بیٹے کی شادی کی عمر ہوئی تو بڑے چاؤ سے بہو تلاش کی۔ شادی کے تحفے کے طور پر دو کنال کا اپنا گھر بیٹے کے نام کرتے ہوئے کاغذات اس کے حوالے کئے تو فراز بولا، بابا! یہ آپ کا گھر ہے اور خوشی اس بات کی ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہتا ہوں۔

بیٹے کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، جو میرا ہے، وہ تمہارا ہے۔

لیکن بابا۔ فراز نے جھجکتے ہوئے کہا۔

لیکن ویکن کچھ نہیں۔ اللہ تم دونوں کو خوش رکھے۔ ہماری بہو کا خیال رکھنا۔

ایک دو سال تک گھر کا ماحول اچھا رہا پھر آہستہ آہستہ بیٹے اور بہو کا رویہ تبدیل ہونے لگا۔ پہلے پہل فراز نے دبے الفاظ میں فیکٹری کی ملکیت کی بات کی پھر برملا کہنا شروع کر دیا۔

جمال نے کہا، سب تمہارا ہے۔ اس سے اچھی بات کیا ہو گی کہ بیٹا فیکٹری سنبھالے اور باپ بڑھاپے کے دن سکون سے گزارے۔

فراز اور اس کی بیوی نے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بہو کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی جب کہ بیٹا بھی مسرور تھا۔

چیز آملیٹ سسر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، بابا! یہ میں نے آپ کے لئے بنایا ہے۔

جمال نے خوشی خوشی آملیٹ کھایا۔

فراز نے ایک ہفتے میں وکیل سے کاغذات تیار کر وا کر باپ کے سامنے رکھے تو اسے دھچکا لگا۔ اس قدر جلد بازی سمجھ سے باہر تھی مگر خود کو تسلی دیتے ہوئے دستخط کر دیئے۔

اگلے چند دنوں میں شک یقین میں بدل گیا کہ رشتے ۔۔۔ رشتے نہیں رہے۔ بیٹے کے ہاتھ میں اختیارات آتے ہی لہجہ بدل گیا اور بہو......؟

بیٹا! تین دن سے کہہ رہا ہوں کہ درزی سے میرا سوٹ لے آؤ لیکن تم بھول جاتے ہو۔

بیٹے سے پہلے بہو نے جواب دیا، سارا دن فیکٹری میں مصروف رہتے ہیں، ان کے پاس وقت کہاں ہے کہ درزی کے لئے خوار ہوں۔ آپ گھر پر ہوتے ہیں۔ خود چلے جائیں یا نذیر کو پیسے دے دیں، وہ لے آئے گا۔

جمال نے خفت سے بہو کو دیکھا اور ناشتے کے بعد لان میں جا کر بیٹھ گیا۔

باپ کے جاتے ہی فراز نے بیوی سے کہا، تمہیں بیچ میں بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کے پاس پیسے کہاں ہیں؟ ہر مہینے انہیں پیسے دیتا ہوں۔ اس مرتبہ دینا بھول گیا۔ ان کے پاس پیسے ہوتے تو خود لے آتے۔ کمال کرتی ہو۔

وہ تنک کر بولی، ابا نے سب تمہارے نام نہیں لکھ دیا، اکاؤنٹ میں کروڑوں چھپا کر بیٹھے ہیں لیکن کب تک؟ ان کے جاتے ہی وکیل اگلے روز خبر دینے آجائے گا پھر تمہیں معلوم ہو گا کہ تمہارا باپ قارون کے خزانے پر بیٹھا تھا۔

کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔ ان کے پاس پیسے کہاں سے آئیں گے؟ جو تھا وہ مجھے دے دیا۔ یہ کہہ کر بیگ اٹھایا اور چلا گیا۔

صاحب جی! آپ کا سوٹ لانا ہے درزی سے۔ بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ سلائی کے پیسے۔

نذیرے نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا۔

جمال نے خالی نظروں سے نذیرے کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا، میرا اور تمہارا سائز ایک ہے، وہ سوٹ تم رکھ لو۔

نذیر نے کہا، صاحب جی! یہ وہی بیٹا ہے نا جس کے لئے لڈو تقسیم کروائے تھے۔ اولادِ نرینہ کی دعا کرنے کے بجائے نیک اور فرماں بردار اولاد کی دعا کرنی چاہئے پھر چاہے وہ بیٹا ہو یا بیٹی۔

جمال اپنے کمرے تک محدود ہو گیا۔ بہو کہتی تھی کہ بابا ہر وقت کھانس کر جراثیم پھیلاتے ہیں، بچے بیمار ہو جائیں گے۔ فراز کو بات اچھی نہیں لگی لیکن جب اپنے دو سالہ بیٹے کو دادا کے ساتھ کھیلتے اور اس دوران دادا کو مسلسل کھانستے ہوئے دیکھا تو سوچ میں گم ہو گیا۔

جمال اب بیمار رہنے لگا تھا۔ آئے دن دوائیاں آتیں یا ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑتا۔ فراز نے دبے لفظوں میں شکایت کی کہ آپ کے ایک مہینے کی دوائیوں کا بل ہزاروں میں ہے۔ فیکٹری کے حالات اچھے نہیں۔ خیال رکھا کریں۔

ایک روز غصے میں یہاں تک کہہ دیا کہ اب اگر آپ بیمار ہوئے تو فلاحی ادارے میں چھوڑ کر آجاؤں گا۔ بیٹے کی بے حسی دیکھ کر جمال کا دل دہل گیا۔ آنکھیں قطرہ قطرہ پانی سے بھر گئیں۔

سردی بڑھ گئی تھی۔ اسے شدید بخار تھا۔

وہ کمبل لپیٹ کر نذیر سے کہنے آیا تھا کہ اس کے لئے موزے خرید لائے۔ لاؤنج میں صوفے کے پاس پوتے کے موزے نظر آئے۔ موزے اٹھا کر کمرے میں آگیا۔

صبح بہو نے بیٹے کے موزے تلاش کئے تو ایک ملازم نے بتایا کہ جمال صاحب نے اٹھائے ہیں۔ وہ غصے سے بھری ہوئی ان کے کمرے کی طرف آئی اور باہر سے ہی شور مچا دیا کہ میرے بیٹے کے موزے آپ نے کیسے چرائے؟

جمال شور سن کر باہر آیا۔

کیسی چوری بہو، کیا شور مچا رکھا ہے؟

مت کہیں مجھے بہو۔ آپ نے چوری کی ہے۔

ہم نے وہ موزے فرانس سے خریدے تھے۔

میں نے پوتے کے موزے پہنے ہیں، اس میں چوری کی کیا بات ہے؟

خبردار جو میرے بچے کو پوتا کہا۔ وہ چور کا پوتا نہیں۔ کچھ چاہئے تھا تو ہم سے کہتے۔

جمال کے دل پر جیسے کسی نے سل رکھ دی۔

چوری کا الزام کرب ناک تھا۔

بہو تنک کر بولی، بڑے میاں! چور بھی دس گھر چھوڑ کر چوری کرتا ہے۔ آپ نے تو حد کر دی۔

یہ گھر میں اس کا آخری دن تھا۔ ہارے ہوئے مسافر کی طرح بیگ میں ضرورت کی چند چیزیں رکھیں اور کوٹھی سے باہر قدم بڑھا دیئے۔

فجر کے وقت خاکروب نے کسی کو فٹ پاتھ پر بے حرکت پڑے دیکھا۔ جلدی سے آگے بڑھا، نبض دیکھی تو بے ساختہ کہا— چلا گیا!

لوگ جمع ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں ایمبولینس آئی اور لاش اس میں رکھ دی گئی۔ مرنے والے کی جیب سے شناختی کارڈ ملا جس پر لکھا تھا۔

جمال الدین۔

یہ کوئی اور نہیں، سیٹھ جمال تھا جسے سنگ دل بیٹے کی بے حسی نے وقت سے پہلے مار دیا تھا۔

آج صبح جس ہونڈا سوک کے ڈرائیور کو دیکھ کر اس کے اعصاب نے جواب دے دیا تھا، وہ کوئی اور نہیں، اس کا بیٹا فراز تھا جسے اس نے ماں بن کر پالا تھا۔ اگلی نشست پر بیٹھی خاتون اس کی بہو تھی جس نے چوری کا الزام لگایا تھا۔

بیٹے کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ تمہارے باپ کا مردہ جسم فٹ پاتھ پر ملا ہے۔

مرید نے پیرومرشد سے عرض کیا کہ میرے لڑکے کے ہاں کوئی اولاد نہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ لڑکا عطا فرمائے۔ پیرومرشد نے فرمایا، تم سلسلۂ نسب چاہتے ہو؟ عرض کیا، جی ہاں۔ فرمایا، تمہیں کیا معلوم کہ اولاد کیسی ہو گی، کیا کام کرے گی۔ سالک کو ان چیزوں کی طرف دھیان نہیں دینا چاہئے۔ سالک کا مقصود اللہ ہے۔ جو کام کیا جائے، اللہ کے لئے کیا جائے۔

سبق: لڑکا اور لڑکی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ جنس سے زیادہ تربیت اہم ہے۔ اصل نسب وہ ہے جو سعید اولاد کے ذریعے آگے بڑھتا ہے، خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰسٓ شریف، قرآن کریم کا مکمل نسخہ اور ۳۰ سپاروں کا سیٹ

دیدہ زیب سرورق کے ساتھ ساتھ اندرونی صفحات میں
خوب صورت ڈیزائن کردہ خط (font)
جس میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ آیات بآسانی پڑھی جا سکیں۔
زیادہ سے زیادہ لوگوں میں ایصالِ ثواب کے لئے تقسیم کیجئے۔

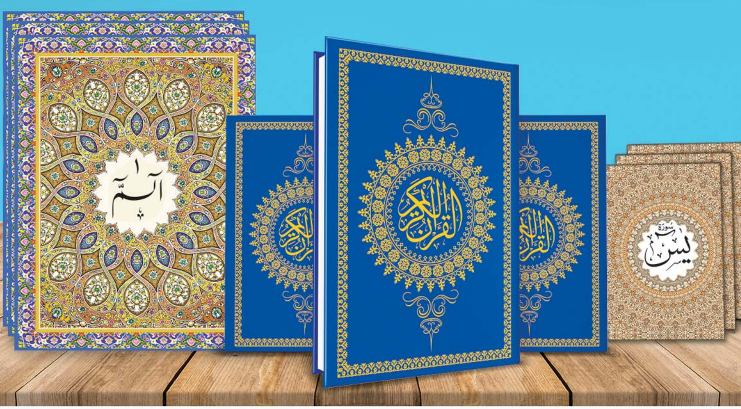

ملنے کا پتہ:
عظیمی محلّہ، سیکٹر 4-C، سرجانی ٹاؤن، کراچی، پاکستان۔

+92-(0)21-36914040
+92-(0)305-4435207

عظیمی
عظیمی یونیورسٹی پریس®
AZEEMI UNIVERSITY PRESS

Since 1990

MOTOLUX

INDUSTRIES

A GLOVES ENGINEERING COMPANY.

Motolux Street,Muzzafarpur, Ugoki Road,
Sialkot-51340,Pakistan,
Tel: +92-52-3252284,Fax: +92-52-3240216
info@motolux.pk

اظہر حسین

اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا
اک شہر تھا اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیمؔ
میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا

قارئین! مضمون کا عنوان آپ نے پڑھا۔ شاعر خواتین و حضرات سے درخواست ہے کہ اس رباعی کی تشریح بیان کریں۔

کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی بیان کرنا خوبی ہے۔ اس سلسلے میں عموماً شعرا کی مثال دی جاتی ہے جو نفسِ مضمون کو ایک مصرعے میں سمو دیتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ یہ آمد ہے۔ آمد لاشعور سے ہے اور لاشعور کا وصف بڑی سے بڑی اسپیس کو چھوٹی سے چھوٹی اسپیس میں سمو دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جاتی ہیں اور اشعار کی تشریح ہوتی رہتی ہے۔

شاعری کی ایک صنف رباعی ہے جس میں چار مصرعوں میں پورا مطلب بیان ہوتا ہے۔ ان کی جب تشریح کی جاتی ہے تو صفحات کم پڑ جاتے ہیں بشرطیکہ شعر کہنے والا وسیع الذہن ہو۔

معنی و مفہوم کے سمندر میں راستے اس وقت کھلتے ہیں جب اشعار میں کائناتی حقائق بیان ہوتے ہیں جیسے حضرت علامہ اقبالؒ کا یہ شعر۔

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

اس شعر میں دوسرے زمان و مکان سے مراد محض وہ ستارے اور سیارے نہیں جن کا سائنس ذکر کرتی ہے لیکن وہاں جا نہیں سکی۔ اس میں ذکر ہے کائنات کے تمام عالمین کا جن کو مادی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ہر عالم کا وقت الگ ہے اور اسی مناسبت سے اسپیس مختلف ہے۔

آئن اسٹائن نے کہا تھا کہ اگر کوئی شے روشنی کی رفتار سے تیز ہو تو اس کا وقت بدل جاتا ہے کیوں کہ تحقیق و تلاش کے لئے روشنی تیز ترین شے ہے جب کہ تصوف میں روشنی کے درجات بتائے گئے ہیں اور ہر درجے میں روشنی کی رفتار

مختلف ہے۔ مادی دنیا میں روشنی کی رفتار وہ نہیں جو نیند کی دنیا میں ہے۔ نور کی دنیا میں روشنی کی رفتار نیند کی دنیا سے زیادہ ہے اور نور سے آگے تجلی اور تدلیٰ اور نہ جانے کتنے مقامات ہیں۔

علمائے باطن جب رفتار کی بات کرتے ہیں تو وہ ایسی لہروں کا تذکرہ کرتے ہیں جن کے لئے زمانی و مکانی فاصلے صفر ہیں۔ ناقابلِ شمار وقت میں فرد کائنات گھوم لیتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ جس دنیا سے وہ گیا تھا، وہاں لمحہ بھی نہیں گزرا۔ دلچسپ یہ ہے کہ کائناتی سفر کے دوران مسافر میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، بال سفید ہوتے ہیں نہ عمر بڑھتی ہے اور نہ چہرے پر جھریاں ہوتی ہیں۔ عجب معمّہ ہے کہ جو سفر مادی لحاظ سے ہزاروں برس میں طے ہونا ہے، وہ وقت کے ناقابلِ بیان یونٹ میں طے ہو جاتا ہے اور اس دوران مادی دنیا میں سوئی ایک سیکنڈ آگے نہیں بڑھتی۔

یہ تمہید اس لئے ہے کہ جس رباعی کا ذکر اگلی سطروں میں کیا گیا ہے، پڑھنے والوں کا ذہن اس کی وسعت کو سمجھنے کے لئے تیار ہو۔

کائنات کیا ہے—؟

حاملِ علمِ لدنّی حضور قلندر باباؒ فرماتے ہیں،

اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا
اک شہر تھا اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیمؔ
میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا

اس رباعی کے ہر مصرعے میں ازل سے ابد تک کی کائناتی اسپیس بیان ہوئی ہے۔ جب اس کی تشریح کی جائے گی تو صرف ہماری زمین نہیں بلکہ تمام عالمین میں زمین پر ہونے والی تبدیلیوں، ان کی وجوہات اور اثرات، آبادیاں اور وسائل، ظاہر غیب — غیب ظاہر سب کا ذکر ہوگا اور شعور و لاشعور کے نہ جانے کتنے پردے اٹھیں گے۔ ہر مصرعے سے یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ دنیا کی زندگی کیا ہے اور فرد کا وجود کیا!

اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا

کُن دو حروف سے بنا ایک لفظ ہے۔ ہر شے کی ابتدا اس سے ہوئی ہے۔ یہ لفظ ایک ایسے لاتناہی نظام کا مخفف ہے جس کے آغاز کی آدمی کو خبر ہے نہ اختتام کی۔ دَور پر دَور بدل گئے اور بدلیں گے — کُن کا مظاہرہ جاری ہے اور جب تک اللہ چاہے، جاری رہے گا۔

یہ دنیا کب سے قائم ہے، نہیں معلوم۔

نہ اس بارے میں دنیاوی اعتبار سے وقت کا تعین کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ہر عالم میں وقت مختلف ہے۔ دن رات کو 24 گھنٹوں میں تقسیم کرکے ماہ و سال کا ریکارڈ الوژن تسلی کے لئے ہوسکتا ہے مگر نیند کی دنیا جس سے ہم ایک حد تک واقف ہیں — وہاں دن رات 24 گھنٹے پر مشتمل نہیں۔ نیند کی دنیا سے آگے لاشمار عالمین ہیں۔ وہاں وقت کی کیا صورت حال ہے، آدمی (انسان نہیں) کو نہیں معلوم۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"ملائکہ اور روح اس کے حضور حاضر ہوتے ہیں ایک ایسے یوم میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔" (المعارج : ۴)

اللہ تعالیٰ نے یوم (دن + رات) کی مختلف اسپیس بیان کی ہیں۔ مذکورہ بالا اسپیس میں لاشعور کا ایک یوم ہمارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ جس کیلنڈر کے ایک دن رات ہمارے پچاس ہزار سال کے برابر ہیں تو اس کا ایک سال ہمارے کتنے سالوں کے برابر ہوگا؟

50,000 x 365 = 1,82,50, 000

ایک کروڑ بیاسی لاکھ پچاس ہزار سال۔

ہماری زمین کے متعلق محققین کا اندازہ ہے کہ یہ کروڑوں سال پہلے بنی۔ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو اب سے کروڑوں سال پہلے اور اب کے بعد نہ جانے کتنے ہزاروں سال مزید آئیں گے — یہ عظیم نظام ہے جو ایک لفظ کُن سے شروع ہوا۔ کُن سے ایسی بات، حرکت اور زندگی کا آغاز ہوا جس کے پھیلاؤ کا نام کائنات ہے۔

اک شہر تھا اک شہر سے ویرانہ ہوا

یہ پہلے مصرعے کی تجدید ہے۔

صوبہ سندھ میں موئن جو دڑو کے آثارِ قدیمہ کے بارے میں اندازہ ہے کہ یہاں تقریباً ڈھائی ہزار سال قبلِ مسیح میں ایک عظیم الشان سلطنت آباد تھی — آج یہ ویرانہ ہے۔ موئن جو دڑو کی باقیات جتنے رقبے پر ہیں، سلطنت اس سے کئی گنا بڑی تھی لیکن قدرت نے آئندہ نسلوں کی عبرت کے لئے کچھ حصہ رہنے دیا۔

یہاں کون آباد تھا؟

وہ لوگ کہاں گئے؟

مٹی نے انہیں کتنے پردوں* میں چھپالیا ہے؟

* پردوں (پرتوں)

اس مٹی سے کیا کچھ ظاہر نہیں ہوتا مگر اس زمانے میں موجود لوگوں کی خبر نہیں ملتی۔

مصر کے اہرام، بابل کی عظیم سلطنت، پیٹرا کے محلات کی ویران اور ٹوٹی پھوٹی باقیات کی کہانی بھی مختلف نہیں۔ جن شہروں میں کندھے سے کندھا ٹکراتا تھا، آج میلوں میل ویرانی ہے۔ قرآن کریم میں ایسی اقوام کا ذکر ہے۔

"کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کا اپنے زمانے میں دور دورہ رہا؟ ہم نے ان کو زمین میں وہ اقتدار بخشا تھا جو تمہیں نہیں بخشا ہے۔ ہم نے ان پر آسمان سے خوب بارشیں برسائیں اور ان کے نیچے نہریں بہادیں، آخر کار ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں تباہ کر دیا اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو اٹھایا۔"

(الانعام: ٦)

ہم شہر شہر اور قریہ قریہ گھومتے ہیں، زمین کی رگوں اور خلا میں آباد بستیوں میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور کائنات کی سیر کی تمنا ہے۔ کبھی سوچا ہے کہ یہ سب ہمیں کہاں نظر آتا ہے—؟

اپنے محلے کی گلی کوچے میں گھومیں یا لاکھوں روپے خرچ کر کے ہوائی جہاز کے ذریعے کسی دوسرے ملک جائیں— وہاں جا کر بھی ہر منظر ہمیں اپنے اندر نظر آتا ہے اور دماغ کی اسکرین پر فلم چلتی ہے جن میں تصویریں ہنستی ہیں، بولتی ہیں، روتی ہیں، کھاتی پیتی ہیں۔ ان میں سمندر کی تصویر ہوتی ہے اور ہمالیہ کے پہاڑوں کی بھی۔

زمین، فضا اور آسمان کا کوئی بھی منظر ہو، جب وہ نظر آتا ہے تو ہم اسے کہاں دیکھتے ہیں—؟

اگر اس کی تصویر اندر نہ بنے تو کیا ان مقامات پر جا کر بھی ہم اسے دیکھ سکتے ہیں؟

ابدالِ حق فرماتے ہیں،

گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیمؔ
میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا

گردوں زمانے کو کہتے ہیں۔ زمانے نے ہزار عکس ڈالے ہیں۔ عکس اسکرین پر بنتا ہے اور اسکرین زمین ہے۔ اس اسکرین پر ہزاروں عکس آتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں۔ یہ عکس رنگوں کے مجموعے خاک سے، پیمانہ بنتے ہیں اور پھر خاک نشین ہو جاتے ہیں اس طرح کہ خاک رہتی ہے مگر نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ یوں لفظ افسانہ اور شہر ویرانہ بنتا ہے اور ویرانہ پھر سے آباد ہو کر افسانہ بن جاتا ہے۔

حماد علی شاہ

چائے کی بہن

پاکستان اور بعض ممالک میں دودھ ملانے سے کالی چائے کا خون سفید ہو جاتا ہے۔ خون سفید ہونے سے اس میں وہ تاثیر نہیں رہتی جو سبز اور سیاہ چائے کی ہے۔

پانی کے بعد چائے واحد مشروب ہے جو غم، خوشی، پریشانی، شادی، میت، دعوت غرضیکہ ہر موقع پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ دوستوں سے ملنے جانا ہو یا کسی کو گھر بلانا ہو، چائے کے بغیر ملاقات ادھوری رہتی ہے۔

چائے کی چاہ ہر خطے میں ہے۔ افریقا کے تپتے ریگ زاروں سے چین و تبت کے برفیلے پہاڑوں تک یہ مشروب کثرت سے پیا جاتا ہے۔ اس پر موسم کا اثر ہوتا ہے نہ علاقے کا۔ گرم علاقوں کے مکینوں سے پوچھیں کہ گرمی میں چائے کون پیتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ گرمی، گرمی کو مارتی ہے جب کہ ٹھنڈے علاقوں میں رہنے والوں کے لئے چائے کی آڑ میں سردی ایک بہانہ ہے۔

کسی نامعلوم شاعر نے چائے کے بارے میں ایک شعر کہا ہے اور خوب کہا ہے،

سب ہی سوالوں کا جواب لایا ہوں
اہلِ غم بیٹھو میں چائے لایا ہوں

ایک رات سڑک کنارے ہوٹل کے تخت پر بیٹھا، منہ میں گڑ رکھ کر سبز چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے خیال آیا کہ چائے کیا ہے—؟

ہماری طرح اس کا کنبہ برادری ہے۔ کہیں یہ کالی ہے، کہیں سبز ہے، کہیں سفید، کہیں گلابی، کہیں تیکھی، کہیں پھیکی اور کہیں چائے کم اور شربت زیادہ ہے۔ جس رنگ میں ہو، ہر رنگ میں چائے— چائے ہے۔ کالی پتّی کی چائے کالی، دودھ ڈال دو تو سفید ہے۔ سبز پتّی کی چائے سبز، اس میں دودھ ڈالنا ممنوع ہے۔ چین کی گھاس یعنی چائنا گراس بھی اس کا ایک قبیلہ ہے۔

ڈنٹھل، پتّی اور گھاس کی آمیزش سے بنے یہ

مشروبات ہم نام کیوں ہیں ــــ؟

بھئی! پتّی سے بنا مشروب چائے ہے۔

ڈنٹھل سے بنے مشروب کو ڈنٹھلی اور گھاس شامل کر دی جائے تو اسے گھاسا کہنا چاہئے۔

بہرحال یہ اہم موضوع ہے جس کے لئے ذہین لوگوں کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہو گا۔ بیٹھک کے دوران چائے کا دَور چلے گا اور سوچ بچار کے نتیجے میں اردو زبان کی خدمت ہو گی۔

چائے کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے تاہم تصدیق نہیں کی جاسکتی کہ یہ کس علاقے کی دریافت ہے۔ داستانوں میں ایک ایسے صاحب کا ذکر ملتا ہے جن کے ہاتھ سے کچھ جڑی بوٹیاں غیر ارادی طور پر ابلتے ہوئے پانی میں گریں اور چائے بن گئی۔

مسلمان سیاح سلیمان سیرابی نے اپنی کتاب "سلسلۃ التاریخ" میں چین کے سفر کی روداد میں ایک گھاس کا ذکر کیا ہے۔

"چین میں ایک خاص قسم کی گھاس کو پانی میں جوش دے کر پیا جاتا ہے۔ چین کے شہروں میں یہ گھاس بکثرت فروخت ہوتی ہے اور آمدنی کا مفید ذریعہ ہے۔ چینی باشندے اس سے بننے والے مشروب کو 'ساخت چاہ' کہتے ہیں۔ چین سے یہ مشروب دنیا میں پھیلا اور ہر خطے کی زبان کے مطابق اس کے نام ہو گئے۔"

چائے کی ہزار سے زیادہ اقسام ہیں اور ان میں تین رنگ زیادہ مشہور ہیں۔ سفید، سبز اور سیاہ۔ سفید کم یاب ہے، سبز اور سیاہ زیادہ استعمال کی جاتی ہیں۔ پاکستان اور بعض ممالک میں دودھ ملانے سے کالی چائے کا خون سفید ہو جاتا ہے۔ خون سفید ہونے سے اس میں وہ تاثیر نہیں رہتی جو سبز اور سیاہ چائے کی ہے۔

چائے پر تحقیق کے دوران معلوم ہوا کہ ابتدا میں یہ کھانے کے طور پر استعمال کی جاتی تھی۔ بعض علاقوں میں لوگ اسے سبزی سمجھتے تھے کیوں کہ یہ ایک پودے کی پتیاں ہیں۔

چائے اور جذبات کا ساتھ پرانا ہے۔

ہنس پڑی شام کی اداس فضا
اس طرح چائے کی پیالی ہنسی

چائے کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے،

چائے فقط ملاقات کا بہانہ ہے۔

مگر ایک شاعر صاحب ایسے ہیں جنہوں نے چائے کو جدائی کے رنگ میں بیان کیا۔

چھوڑ آیا تھا میز پر چائے
یہ جدائی کا استعارہ تھا

ایک اور شاعر نے محبوب کی یاد اور یاد سے پیدا تشنگی کو چائے کے اہم جز سے تشبیہ دی ہے۔

آج پھر چائے بناتے ہوئے وہ یاد آیا
آج پھر چائے میں پتّی نہیں ڈالی میں نے

چائے کی پہچان پتّی سے ہے۔ پتّی نہ ہو تو چائے کا وجود باقی نہیں رہتا، وہ کچھ اور بن جاتی ہے۔

کوئی کہے کہ بھائی! چائے تو پلا دو۔

"ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ" کی مانند اس جملے کے پیچھے بہت کچھ ہے۔ اتنا سمجھ لیں کہ میزبانی پر آمادہ ہونے والے کا دیوالیہ نکل سکتا ہے۔ کہنے والا جھنجوڑنا چاہتا ہے کہ ٹھیک ہے، کھانا نہیں کھلانا تو نہ کھلاؤ مگر چائے تو پلا دو۔ اب آپ شرم کے مارے کہتے ہیں کہ چائے کیوں، کھانا کھا کر جانا۔ مقصد پورا ہونے پر اطمینان سے بیٹھ جاتا ہے۔ عموماً ایسا دوستوں میں ہوتا ہے۔

چائے گھر، ڈھابے اور بڑے ہوٹل کہیں بھی پی جاسکتی ہے۔ کراچی سے پشاور تک دودھ پتّی چائے کا ایک کپ 50 سے 100 روپے ہے۔ اکثر دوست پوچھتے ہیں کہ چائے کو اہم مشروب کس نے بنایا—؟ یہ سوال چائے پینے کے دوران پوچھا جاتا ہے— جواب چائے کی پیالی میں کھو جاتا ہے۔ قارئین! کیا آپ جانتے ہیں؟

ایک شام دوست کے گھر وضاحت کئے بغیر چائے منگوائی۔ کپ ہونٹوں سے لگایا تو میزبان نے مغالطے میں یخنی پیش کر دی تھی۔ محبت سے دی گئی چیز واپس کون کرتا ہے، دل رکھنے کے لئے پی لی۔ دوست نے پوچھا کہ چائے کیسی لگی تو ہم منہ تکتے رہ گئے۔ وہ چائے کے بارے میں پوچھتے رہے اور ہم ان کی لاعلمی پر ماتم کرتے رہے۔ وقفے وقفے سے سوال دہرایا گیا تو ہم نے کہا، آپ بگھار دیئے بغیر چائے کیسے بنا لیتے ہیں؟

اب حیران ہونے کی باری دوست کی تھی۔

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر سوال سمجھ میں آنے پر قہقہہ لگایا اور کہا، بھائی! یہ مسالا چائے ہے۔ اس میں لونگ، دار چینی، الائچی، ادرک وغیرہ شامل ہوتی ہے۔ ہم نے کہا، مرغ کی بوٹی بھی ڈال دیتے تو یخنائے بن جاتی۔ تعجب سے پوچھا، یخنائے کس ملک کی سوغات ہے؟

ہم نے کہا، معلوم نہیں لیکن ہماری ترکیب پر عمل کرو تو ہمارے ملک کی بن جائے گی۔

بات سمجھنے میں مشکل پیش آئی تو ہم نے کہا،

بھائی! پتّی اور پانی سے چائے بنتی ہے۔ اب جو کچھ آپ نے اس میں ڈالا ہے، مرغ کی بوٹی شامل کر لیتے تو چائے کی بہن یخنائے بن جاتی۔

آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے ہمیں دوبارہ چائے پر کیوں نہیں بلایا۔

مہمانوں کو چائے کے ساتھ سموسے، جلیبی، بسکٹ اور کچھ لوگ گلاب جامن بھی رکھتے ہیں۔ چائے پہلے پئیں تو گلاب جامن کا مزہ نہیں رہتا اور گلاب جامن پہلے کھالیں تو چائے کی مٹھاس لایعنی ہو جاتی ہے۔ ادھر میزبان کا اصرار ہے کہ ایک گلاب جامن اور کھالیں۔ ہم سوچتے ہیں کہ یا اللہ! میزبان کیا چاہتا ہے؟ گلاب جامن اور چائے دونوں کا اثر ختم کرنا یا ہمیں دونوں سے بد دل کرنا؟ دوستو! اگر آپ ایسے کسی "حادثے" سے دوچار ہوئے ہیں تو خط لکھ کر ضرور بتایئے۔

چائے بنانا آسان ہے مگر اس کے لئے پانی ابلنے کا انتظار مشکل ہے۔ ابلتے ہوئے پانی میں پتّی ڈالنے سے جو ذائقہ آتا ہے، وہ پانی ابلنے سے پہلے پتّی ڈالنے میں نہیں آتا۔ چائے کے لئے پانی کے ابلنے کی وہی اہمیت ہے جو بریانی اور پلاؤ کے چاولوں کو دَم دینے کی ہے۔

گھروں میں چائے کی چھوٹی موٹی علانیہ اور غیر علانیہ دعوتیں ہوتی رہتی ہیں۔ چائے کی بڑی دعوت کے بارے میں سنا ہے؟ لوگ اسے ہائی ٹی کہتے ہیں اور راقم الحروف چائے کی بڑی دعوت، جو کھانے سے کچھ کم اور چائے سے زیادہ ہوتی ہے۔ مختلف ریستوران کے ہائی ٹی menu میں بسکٹ، کیک، چناچاٹ، سوپ، سلاد، حمس، کباب، پکوڑے، سموسے، پیزا، سینڈوچ، ویج رول، شاورما، مچھلی اور بہت کچھ ہوتا ہے۔ فی کس نو سو سے دو ہزار روپے کا بل ہے۔

ہمیں طعام کے انتظام سے زیادہ ہائی ٹی کے لوازمات پسند ہیں کیوں کہ پلیٹ جلدی بھرتی اور جلدی خالی ہوتی ہے اور پھر بھر جاتی ہے۔ آخر میں گرم چائے اندر ہونے والی اتھل پتھل کو کسی حد تک مطمئن کر دیتی ہے۔

چائے کی ایک خاص قسم کشمیر سے ہے۔ پتّی کی وجہ سے اس کو چائے کہا جاتا ہے ورنہ اصولاً یہ ایک زبردست انرجی ٹانک ہے جس میں بادام، پستہ، الائچی، بیکنگ سوڈا اور نمک ڈالا جاتا ہے۔ پورا نام "کشمیری دوپہر کی چائے" ہے۔

آج کل گرین ٹی مقبول ہے۔

دبلا ہونے کے شوقین افراد دن میں تین سے چار مرتبہ پیتے ہیں جب کہ بسیار خور اس کی مدد سے کھانا ہضم کرتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اب دل، جگر، گردے اور پھیپھڑوں کو نقصان کم پہنچے گا۔

چائے ہزاروں سال سے پی جارہی ہے اور نہ جانے کب تک یہ مشروب خواص و عوام میں خاص رہے گا۔ چائے کے ڈھابوں، تنہا بیٹھے لوگوں، قہقہے لگاتے دوستوں اور ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوبنے والوں کے لئے چائے سہارا ہے۔ وضاحت کی ضرورت اس لئے نہیں کہ محفلوں کے اسیر، زلفوں کے اسیر اور چائے کے اسیر واقفانِ حال ہیں۔

چائے پینا تو اک بہانہ تھا
آرزو دل کی ترجمانی تھی

ہماری گرین ٹی کے اختتام کے ساتھ مضمون بھی اختتام کو پہنچا۔ جاتے جاتے ایک شعر فانی زندگی کی نذر۔

قمقموں کی طرح قہقہے جل بجھے
میز پر چائے کی پیالیاں رہ گئیں

مکتبِ عشق میں سبق پڑھنے
لوگ آئیں گے ہر زمانے میں

خواب نے رکھ لیا فسانے میں
تم نے تاخیر کی جگانے میں
اس زمیں کو فلک بنانے میں
میں بھی شامل تھا اک زمانے میں
تیرے کردار کو اٹھانے میں
مجھ کو مرنا پڑا فسانے میں
کام کرتے ہیں روز و شب صاحب
ہم محبت کے کارخانے میں
بام و در دشمنوں کے ساتھی تھے
مجھ کو دیوار سے لگانے میں
عشق میں تھوڑی سی سہولت تھی
حضرتِ قیس کے زمانے میں
دین و دنیا سے جانا پڑتا ہے
دل کو دیوانگی بنانے میں
آگ کے درمیان بیٹھے ہیں
قصہ خوانی کے چائے خانے میں
مکتبِ عشق میں سبق پڑھنے
لوگ آئیں گے ہر زمانے میں

(شاعر: اسحاق وردگ)

Manufacturer of
Embroided Lace & Fabrics

PRIME LACE INDUSTRIES (PVT.) LTD.

C-8, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880107 Fax: 022-3880381

محمد عاصم بیگ

دماغ کے خ ا ن ے

دماغ میں آنے والے کرنٹ کو ایک نقطہ پر مرکوز کیا جائے تو یہ غیر ضروری تقسیم نہیں ہوتا۔ نتیجے میں یقین کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور تخلیقی فارمولے آشکار ہوتے ہیں۔

"اور پھر ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے جی چاہے، کھاؤ مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ تم ظالموں میں شمار ہوگے۔" (البقرۃ: ۳۵)

اللہ نے بابا آدمؑ اور اماں حوّاؑ کو جنت میں بھیجا تو شرط یہ رکھی کہ "شجرِ ممنوعہ" کے قریب مت جانا۔ علمائے باطن فرماتے ہیں کہ اس درخت کے پتّے، شاخیں، پھول ہر لمحہ رنگ تبدیل کرتے ہیں یعنی اگر پتّوں کا رنگ نیلا ہے تو اس سے پہلے کہ اس رنگ کی جزئیات ذہن میں مکمل ہوں، رنگ تبدیل ہو کر لال نظر آتا ہے۔ اس طرح رنگ مسلسل تبدیل ہوتا ہے۔

جنت میں بابا آدمؑ کے لئے اسپیس مسخر تھی۔ وہ جہاں جانا چاہتے، فاصلہ سمٹ جاتا اور وہ وہاں پہنچ جاتے۔ جو کھانا چاہتے، حاضر ہو جاتا۔ اسپیس مسخر ہونے کی وجہ "علم الاسماء" ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھائے۔

درخت کے قریب جانے پر انہوں نے جو رنگ دیکھا، اس کے متعلق رائے قائم کی۔ اگلے لمحے رنگ تبدیل ہو گیا، رائے بدل گئی۔ مسلسل ایسا ہونے سے یقین کی جگہ بے یقینی نے لے لی کہ جو دیکھ رہے ہیں، وہ حقیقت ہے یا تغیر؟ یوں ذہن اصل سے ہٹ کر تغیر میں محو ہو گیا۔

تغیر کی طرف متوجہ ہونے کا ایک مطلب یہ ہے کہ جو موجود ہے، ذہن اس کو چھوڑ کر آئندہ کیا ہونے والا ہے، کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ نتیجے میں وہ دماغ بیدار ہوا جو فریب کو حقیقت سمجھتا ہے۔ حقیقت سے واقفیت، ناواقفیت میں بدل گئی اور شک کی ابتدا ہوئی۔

"آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت

کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹادیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا کہ اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے۔"

(البقرۃ: ۳۶)

اس دنیا میں جسے عالمِ ناسوت (فانی دنیا) کہتے ہیں، بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا ذہن شفاف شیشہ ہوتا ہے۔ خاتم النبیینؐ کا ارشاد گرامی ہے،

"ہر بچے کی پیدائش فطرت پر ہوتی ہے۔ پھر ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا دہریہ وغیرہ بنادیتے ہیں۔"

ہر بچہ لاشعوری اطلاعات کو من وعن قبول کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ماں باپ اور ماحول میں مختلف طرز فکر کے عکس بھی بچے کے ذہن پر منعکس ہوتے ہیں۔ چوں کہ ماحول میں شک (حقیقت سے ناواقفیت) غالب ہے، ذہن شک کے پیٹرن پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ نتیجہ نکلتا ہے کہ آدمی ماضی سے دور ہو جاتا ہے اور ساری توانائی، کوشش اور توجہ کا مرکز آئندہ واقعات اور معاملات بن جاتے ہیں۔

آدمی ایک خیال پر نہیں ٹھہرتا — خیال میں گہرائی دیکھے بغیر رائے قائم کرنا عادت بن جاتی ہے۔ وہ نہیں سوچتا کہ خیال کا ماخذ (source) کیا ہے اور یہ ذہن میں کس طرح آتا ہے۔ وہ ان رموز سے صرفِ نظر کر کے اگلے خیال کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

گھڑیاں اس طرح بنائی گئی ہیں کہ ان میں سیکنڈ، منٹ اور گھنٹے کی سوئی کلاک وائز حرکت کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ سوئی گھڑی کی مخالف سمت (اینٹی کلاک وائز) میں حرکت کرے۔ ہم گھڑی میں وقت دیکھتے ہیں تو دن اور رات کے گزرے ہوئے وقفے لمحے میں ذہن کے احاطے میں آجاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی دماغ میں فلم بنتی ہے جس میں آئندہ کرنے والے کام اور اَن دیکھے واقعات شامل ہوتے ہیں۔ اب ذہن ماضی کو بھول کر مسلسل آگے کا سوچتا ہے۔ یہ عالمِ ناسوت میں زندگی کی ایک طرز ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں،

"نوعِ انسانی کا طرزِ کلام جتنا محدود ہے اور اس کے اندر جتنی خامیاں ہیں، ہم ان پر غور نہیں کرتے۔ ممکن ہے ہماری نوع اس

بات پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتی ہو یا اس طرف توجہ کرتی ہو تو اس طرح جیسے کوئی خلا میں جھانکتا ہے اور جھانکنے کو فضول سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔

مثال: ہم کبھی افسانوی زبان میں یا واقعاتی تذکروں میں کہتے ہیں کہ ہمارا گزر ایک بہت بڑے اور گھنے جنگل سے ہوا۔ اس جنگل میں سائے تھے اور تیز ہوا کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ تاریک راتوں میں جب ہوا رک جاتی تو جنگل بھیانک سناٹے اور موت کا نمونہ بن جاتا۔

آپ ان جملوں کو چند بار پڑھئے اور غور کیجئے کہ بیان کرنے والے نے فی الواقع کوئی صحیح اور معین بات کہی ہے یا قارئین کو جنگل میں چھینک دیا ہے۔ بیان کرنے والے نے یہ بات بالکل نہیں بتائی کہ جنگل میں کون کون سے درخت تھے، ان کا قد و قامت، ان کا رنگ و روپ، ان کے پھول پتیاں کس وضع کی تھیں اور ان درختوں سے ملحق کون کون سے پرندے، کس قسم کے جانور اور ان کی شکل وصورت کیا تھی۔ زمین اور چھوٹے پودے اور زمین پر اگی ہوئی گھاس، زمین کا اتار چڑھاؤ، زمین پر بہنے والا پانی، نرم ریت اور سخت پتھریلے علاقوں کے نقش و نگار کیا تھے۔ اس جنگل میں کتنے آبشار، کتنے پہاڑ، کتنے ٹیلے اور کتنے ریگ زار تھے۔

قارئین کبھی یہ نہیں سوچتے کہ بات کس قدر بے سروپا کہی گئی ہے حالانکہ وہ عبارت پڑھنے کے بعد کچھ نہیں سمجھتے بجز اس کے کہ جنگل کا ایک تصور ذہن میں بنا اور ذہن اس سے چمٹ کر سو گیا اور صرف ایک سیکنڈ یا ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں جاگ اٹھا اس امید پر کہ آگے اور کیا پیش آیا، قصہ گو اور کیا کہے گا۔"

(کتاب: تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ)

ذہن ایک خیال پر رکے، گہرائی میں جائے تو یقین مشاہدہ بن کر سامنے آجاتا ہے۔

آیئے — اب اُس دماغ کا تذکرہ کریں جو عالمِ ناسوت میں ہماری زندگی، اعمال، افکار، کیفیات اور کردار کا سورس ہے۔

دماغ میں بے شمار خلیات (cells) ہوتے ہیں۔ اب تک کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد تقریباً ایک کھرب 71 ارب بتائی جاتی ہے۔ ان میں تقریباً 86 ارب نیورونز ہیں۔ محسوسات، کیفیات اور خیالات کی ترسیل نیورونز کے ذریعے ہوتی ہے۔ اطلاع ایک نیورون سے دوسرے نیورون کو موصول ہوتی ہے، اس طرح جسم میں کیفیت یا حرکت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

روحانی سائنس اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ آدمی کا دماغ بے شمار خانوں کا مرکب ہے۔ ہر خانہ کسی نہ کسی عمل یا عضو کو ظاہر کرتا ہے۔ جسم کی کوئی حرکت ہو، اس کا محرک دماغ ہے۔ اس کو مثال سے سمجھتے ہیں۔

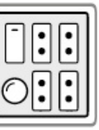

دماغ جسم کا سوئچ بورڈ ہے۔ جس طرح سوئچ بورڈ میں کئی بٹن ہوتے ہیں۔ ایک بٹن کھولنے سے پنکھا چلتا ہے، ایک بٹن سے ٹیوب لائٹ جلتی ہے اور ایک بٹن سے ٹی وی چلتا ہے اور ایک بٹن سے خالی اسکرین سامنے آجاتی ہے۔ بجلی سے چلنے والی ہر شے کا کنکشن تار کے ذریعے سوئچ بورڈ میں موجود بٹن سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے جسم کا سوئچ بورڈ دماغ ہے جس میں بے شمار سوئچ ہیں۔ جسم کی ہر حرکت دماغ میں موجود سوئچ کھلنے (جن کو ہم خانے کہتے ہیں) سے ہوتی ہے۔ ہاتھ اس وقت تک حرکت نہیں کرتا جب تک دماغ میں ہاتھ سے متعلق خانہ نہ کھلے۔ بولنا، پلکیں جھپکنا، چلنا وغیرہ — تمام حرکات دماغ سے تقسیم ہو کر جسم میں منتقل ہوتی ہیں۔

دل کو جسم کا پاور ہاؤس کہا جاتا ہے۔ دل کو کہاں سے کرنٹ ملتا ہے، محققین کے لئے یہ ابھی تک معمّہ ہے۔ دل سے کرنٹ دماغ کو منتقل ہوتا ہے۔ یہ کرنٹ دراصل اطلاعات یا تصورات ہیں جو دماغ تک پہنچتے ہیں۔ دماغ ان تصورات میں معنی اور مفہوم الگ کر کے متعلقہ خانوں کو کھولتا یا بند کرتا ہے۔ ہر خانے سے منسلک کئی خانے ہوتے ہیں جو مرکزی خانہ کھلنے پر کھلتے ہیں اور بند کرنے پر بند ہو جاتے ہیں۔

مثال: پیاس لگنے کا مطلب ہے کہ دماغ میں پیاس کا خانہ کھل گیا ہے۔ پیاس کا خانہ کھلنے سے پانی کی تصویر واضح ہوتی ہے۔ دماغ اس تصویر میں موجود اجزا کے مطابق ذیلی خانے کھولتا ہے جیسے فریج تک چل کر جانا، فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالنا، پانی گلاس میں ڈالنا پھر پینا، حلق کا پانی کو اتارنا اور پانی کا معدے میں جانا، معدے کا پانی کو خون میں شامل کرنا وغیرہ۔ پانی پینے کے اس پورے عمل کے بعد ضروری ہے کہ دماغ میں پیاس کا خانہ بند ہو جائے۔ اگر پانی پینے کے باوجود کسی وجہ سے پیاس کا خانہ بند نہ ہو تو پانی پینے کا تقاضا برقرار رہے گا اور آدمی بار بار پانی پینے پر مجبور ہو گا۔ اس کو استسقا کا مرض کہتے ہیں۔

دماغ میں اطلاعات (کرنٹ کی صورت میں)

ایک خانے سے دوسرے خانے میں منتقل ہوتے وقت کود کر جاتی ہیں۔ ہر خانے کے درمیان فاصلہ معین ہے۔ اگر فاصلہ بڑھ جائے یا خانوں کی ترتیب اوپر نیچے ہو جائے تو کرنٹ آگے نہیں بڑھے گا اور وہ اعضا بے حرکت رہیں گے جن کا تعلق ان خانوں سے ہے۔ اس کو فالج کہتے ہیں۔

جب کرنٹ ایک خانے سے دوسرے خانے میں کود کر جاتا ہے تو دو خانوں کے درمیان جگہ اسپیس کا کام کرتی ہے یا وہاں اسپیس بن جاتی ہے۔ یہ اسپیس اصل میں کوئی عضو، کیفیت یا تقاضا ہے۔ کرنٹ کے بہاؤ میں جتنی زیادہ اسپیس آتی ہیں، کرنٹ کی قوت کم ہو جاتی ہے اور آدمی شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قلندر باباؒ نے ایک رباعی میں فرمایا ہے،

خانے ہیں دماغ کے وہ خالی ہیں سب
چیزیں جو نظر آتی ہیں جعلی ہیں سب
ہر لحہ بدلتا ہے جہاں کا منظر
نظارے بھی آنکھوں کے خیالی ہیں سب

دماغ کے سارے خانے خالی ہیں۔ کہیں سے زندگی کا کرنٹ جسم میں داخل ہوتا ہے اور ہم چلتے، پھرتے، بولتے بن جاتے ہیں۔

دماغ میں آنے والے کرنٹ کو ایک نقطہ پر مرکوز کیا جائے تو یہ غیر ضروری تقسیم نہیں ہوتا۔ نتیجے میں یقین کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور تخلیقی فارمولے آشکار ہوتے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

''جو نور پوری کائنات میں پھیلتا ہے، اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ کو ملتی ہیں۔ ان اطلاعات میں چکھنا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، خیال کرنا، وہم و گمان وغیرہ وغیرہ زندگی کا ہر شعبہ، ہر حرکت، ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ ان کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے۔ انسان ہر طرز میں، ہر معاملہ میں، ہر حالت میں کامل استغنا رکھتا ہو۔ مسخ کرنے والی اس کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ جہاں مصلحت نہیں ہے، وہاں استغنا ہے۔''

فرموداتِ عظیمؒ

۱۔ با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب سالک کی زندگی کے لئے مشعل راہ ہے۔

۲۔ جس آدمی میں شک ہے، قرآن اس پر اپنی حکمت آشکار نہیں کرتا۔

۳۔ عفو و درگزر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

سرورق کی تشریح

''ماہنامہ قلندر شعور'' نومبر 2022ء کے شمارے کا سرورق اپنی تشریح آپ ہے۔ اوپر سے نیچے دیکھتے جائیں تو ہر منظر سرورق پر تحریر الفاظ کی تصویر ہے۔ آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ بارش کے قطروں کا رخ سیدھ میں نیچے کی جانب ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ بارش کے قطروں کا رخ اکثر ترچھا ہوتا ہے لیکن جب آسمان سے بارش برسنے کی مقدار غیر معمولی طور پر زیادہ ہو تو قطروں میں پانی کی مقدار بھی زیادہ ہوتی ہے جس سے وہ بھاری ہو جاتے ہیں اور ہوا کی مزاحمت ان پر کم ہو جاتی ہے۔ قطرے جس قدر وزنی ہوتے ہیں، اتنا ہی ان کا رخ سیدھا زمین کی جانب ہوتا ہے۔ اور اگر ہوا بہت تیز نہ چل رہی ہو تو بارش بالکل سیدھ میں زمین پر گرتی ہے۔ سرورق میں یہی صورت حال دکھائی گئی ہے۔

آسمان پر گھنے بادلوں کی موجودگی سے بجلی چمکنے اور زمین پر گرنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں کیوں کہ بادلوں کی بیش تر تہیں، ایک دوسرے سے مس ہو کر حرکت کرتی ہیں۔ نتیجے میں الیکٹران کی بڑی تعداد بجلی کے کوندوں کی صورت میں بہنے لگتی ہے۔ پہاڑی اور میدانی علاقوں میں مسلسل بارشیں سیلاب اور طوفان میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

سمندروں میں طغیانی آجاتی ہے جسے سرورق پر پہاڑ کی جسامت جیسی لہروں سے ظاہر کیا گیا ہے۔

پیغمبر حضرت نوحؑ کے دور میں جب عظیم طوفان آیا تو خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا،

"اے پانی! برسنا شروع ہو جا۔"

پانی نے اپنے خالق کے حکم کی تعمیل کی اور کرہ ارض کا آسمان گہرے سیاہ بادلوں سے بھر گیا۔ مسلسل اور بھاری مقدار میں بارانی سلسلہ شروع ہو گیا۔

زمین کے باسیوں نے غیر معمولی بارشوں کا ایسا زوردار سلسلہ پہلے کبھی دیکھا سنا نہیں تھا۔ معمول ہے کہ جتنی بھی بارش ہو اور سیلاب آجائے ، پانی بالآخر کچھ مقدار میں زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور باقی دریاؤں میں شامل ہو کر سمندروں میں چلا جاتا ہے لیکن طوفانِ نوحؑ میں زمین نے پانی جذب کرنے کے بجائے خارج کرنا شروع کر دیا۔

"اور زمین کے چشموں کو حکم دیا گیا، وہ پوری طرح ابل پڑیں۔" کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ یہ اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ چشموں کے نیچے موجود پانی کے ذخائر ہی کُل زیر زمین پانی نہیں بلکہ زمین کے اندر بعض پرتوں میں پانی کے غیر معمولی اور نامعلوم ذخائر موجود ہیں۔ جب چشموں کو پوری طرح ابلنے کا حکم ہوا تو ان کا ربط ان پرتوں میں موجود پانی کے زیادہ بڑے ذخائر سے قائم ہو گیا۔

سرورق کے نچلے حصے پر قرآن کریم میں موجود لفظ "تنور" کی بڑی خوب صورتی سے منظر کشی کی گئی ہے۔ دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ تنور کا یہ دہانہ ابھی نمودار ہوا ہے اور اس سے غیر معمولی مقدار میں پانی ابل کر زمین پر پھیل رہا ہے۔

اوپر آسمان اور نیچے زمین سے مسلسل اور بڑی مقدار میں پانی کا زمین پر پھیلنا، عظیم طوفان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ آبادیاں، بستیاں، مکانات، محلات، اونچی نیچی عمارتیں سب پانی میں ڈوب جاتی ہیں حتیٰ کہ زمین پر بڑے بڑے پہاڑ بھی پانی کی بلند قامت لہروں میں چھپ جاتے ہیں۔

سرورق ایک اور دلچسپ نکتے کی طرف توجہ مبذول کرتا ہے — آسمان سے پانی کا نزول اور زمین کی گہرائیوں سے سطح کی جانب پانی کا صعود، ایک ہی وقت میں واقع ہو کر عظیم طوفان پیدا کرتے ہیں۔

عام حالات میں زمین سے چشمے ابلتے رہتے ہیں لیکن پانی کبھی اتنی مقدار میں خارج نہیں ہوتا کہ

زمین پر سیلاب آجائے۔ بہت زیادہ بارشیں زمین کے کسی محدود خطے میں سیلاب کا باعث بن سکتی ہیں اور کچھ عرصے بعد سیلاب ختم ہو جاتا ہے لیکن طوفانِ عظیم میں غیر معمولی اور بڑی مقدار میں بارش کا برسنا اور زمین سے تنور اور چشموں کا غیر معمولی مقدار میں پانی خارج کرنا — زمین کو عطا کردہ قدرت کے اختیار اور اس کے اظہار کی نشانی ہے۔

زمین جیتی جاگتی باحواس مخلوق ہے۔ خود پر ظاہر ہونے والی مخلوقات کی ماں ہے۔ حضرت نوحؑ کی قوم نے ماں زمین کے وجود کو فساد اور شر سے اذیت دی۔ دکھ اور تکلیف کی لہریں جب زمین کی برداشت سے تجاوز کر گئیں تو زمین نے قدرت کے عطا کردہ اختیار کے تحت اپنے وجود پر لگی کثافت کو سیلابِ عظیم سے دھو دیا — تمام فساد پھیلانے والے لوگ اس سیلاب میں غرق ہو گئے۔

اولی الالباب خواتین و حضرات آج یہ پیشین گوئی کر چکے ہیں کہ فی الوقت زمین اپنے وجود پر پھیلے فتنہ و فساد سے بہت تکلیف میں ہے اور کراہ رہی ہے۔ اگر اولادِ آدمؑ نے اپنے اعمال درست نہ کئے اور غلطیوں کی اصلاح نہ کی تو طوفانِ نوحؑ جیسا ایک عظیم طوفان، پردۂ غیب سے ظاہر ہونے کا منتظر ہے۔

(تشریح : مکمل مینا)

آباد دنیا زیرِ آب ہونا کہ پانی زمین بن جائے — اس کو سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے،

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے   یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے

مصیبت آتی ہے تو آدمی سب سے پہلے امان کی جگہ تلاش کرتا ہے لیکن جس طرف وہ جائے، وہاں موت ابل رہی ہو اور امان نہ ملے تو اس وقت کیفیت اور جذبات کیا ہوں گے، میں نے یہ کیفیت خود پر طاری کرنے کی کوشش کی تو وجود خوف سے لرز گیا۔ طوفانِ نوحؑ — تاریخ کا ایک سبق ہے جس میں عبرت ہی عبرت ہے۔ تفصیلات الہامی کتابوں اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کا طریقہ اللہ کی فرماں برداری اور اللہ کی مخلوق کی خدمت ہے۔

(تشریح : بینش عزیز۔ ابوظہبی)

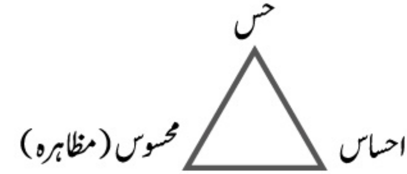

مرکزی خیال: آدمی نے ہر دور میں ٹائم اور اسپیس کی اہمیت کو جانا ہے۔ محققین کی کوشش رہی ہے کہ ٹائم اور اسپیس کی نفی سے بھرپور زندگی (Smart Life) گزار سکیں۔ لہروں پر مبنی اطلاعاتی و خیالی نظام آدمی کے لئے نیا نہیں، مصر اور مایہ کے اہرام ہنوز لہروں کے اسرار کی ہزاروں سال پرانی کاوشوں کا ایک زاویہ بیان کر رہے ہیں۔ گلیلیو، نیوٹن، میکس ویل، آئن اسٹائن، اسکروڈنجر اور ڈاکٹر عبدالسلام جیسے کئی نوبل انعام یافتہ محققین نے لہروں سے متعلق قوانین سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی۔ مادی طبیعیات سے گزر کر جب خیالات نے مابعد الطبیعیات پر کمند ڈالنے کی کوشش کی تو ان کا ذہن مصلحتاً مادے (matter) میں گرفتار رہا۔ زیر نظر مضمون میں تحقیقی رجحان کی دو سمتوں کا تذکرہ ہے۔ خارج میں یہ رخ آدمی کی حسی[1]، عضلاتی[2]، فعلیاتی[3] اور نفسیاتی[4] تفہیم سے گزر کر ذہنی نقوش بناتا ہے۔ آدمی نے ہر دور اور زبان میں ان نقوش کو اپنے مطابق نام دیئے ہیں۔ باطن یا حالتِ نیند میں بھی نقوش بنتے ہیں مگر یہاں مادی جسم کی شمولیت دکھائی نہیں دیتی۔ دونوں حالتوں میں فرق ٹائم اور اسپیس کی رفتار کا ہے۔ اگر آج کا محقق مادیت میں تبدیلی کو سمجھنا چاہتا ہے تو اسے مادے (matter) کی اسپیس کے پیچھے کارفرما 'زمانیت' (Time) کا علم حاصل کرنا ہوگا۔

آدمی زندگی لمحات یا ٹکڑوں میں گزارتا ہے۔ بچہ جوان ہوتا ہے اور جوانی سے گزر کر بڑھاپے میں داخل ہو جاتا ہے۔ جب وہ 50 سال کی زندگی کو پلٹ کر دیکھتا ہے تو زندگی لمحات کے لاتعداد ٹکڑوں میں بنی نظر آتی ہے۔

ٹکڑوں کے گزرنے کے احساس کو ناپنے کے لئے ہم نے جو پیمائشی اصطلاح رکھی ہے، اسے ہم "وقت" کا نام دیتے ہیں۔ وقت کی بہت سی اکائیاں ہیں۔ مثلاً سیکنڈ، منٹ، گھنٹہ، دن، ہفتہ، ماہ و سال وغیرہ۔ وقت کے بکثرت ٹکڑے ایسے ہیں جنہیں ہم نے کوئی نہ کوئی نام دیا ہے۔ ان تمام ناموں کی حیثیت محض ایک اصطلاح کی ہے

جو ہم نے پیغام رسانی یا گفت و شنید میں آسانی کے لئے بنائی ہیں۔

آپ درد محسوس کرتے ہیں تو مزاج تبدیل ہو جاتا ہے۔ کبھی شدت آتی ہے اور کبھی آرام محسوس ہوتا ہے۔ حس — احساس — محسوس کی تکون میں جو بھی دیدہ نادیدہ وجود ریکارڈ ہوتا ہے، اس کی حقیقت کے بارے میں ہم حتمی بات نہیں کہہ سکتے۔ اگر ماحول یکساں ہو تو دوسرا فرد اس حس — احساس — محسوس کی تکون کو دانستہ یا نادانستہ استعمال کرکے جو بھی مشاہدہ کرتا ہے، وہ آپ کے بیان کا انکار یا اقرار ہو سکتا ہے۔

غور طلب ہے کہ حس — احساس — محسوس کی تکون کی لغت آدمی کو ماحول سے منتقل ہوتی ہے اور اس کا یقین بن جاتی ہے۔ البتہ تاریخ بتاتی ہے کہ ارتقا کے دوران بسا اوقات یہ بھی ہوا کہ جب کسی آدمی نے مشاہدے کے لئے مختلف طرز کی حس — احساس — محسوس کی تکون استعمال کی تو اُس کا احساس گرد و نواح میں بسنے والوں کے مذاق کا ہدف بن گیا مگر اس اضافی احساس پر چند ایک لوگوں نے حیرت کا اظہار بھی کیا۔ آخر دن، ہفتہ، مہینہ، سال اور صدیاں گزرنے کے بعد نسلیں اس خیال کو سراہنے پر مجبور ہوئیں جو کبھی مذاق کا ہدف تھا۔ سائنس و ٹیکنالوجی کی تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں۔

اگر ہم اس نکتے کا یقین کرلیں کہ مشہود میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی — سوال یہ ہے کہ امتیاز کہاں پیدا ہو رہا ہے؟ جواب یہ ہے کہ مشاہدہ یعنی دیکھنے کا زاویہ تبدیل ہو رہا ہے۔

سیریز "جیتے مرتے — فاصلے" میں بارہا تذکرہ ہوا ہے کہ حواس روشنی کو سنتے، دیکھتے، سونگھتے، چکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔ مشاہداتی اضافیت کے ضمن میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ روشنی تبدیل نہیں ہوتی بلکہ زاویے کی وجہ سے مشاہدہ تبدیل ہوتا ہے۔ ہم روشنی کے لمحات کی پیمائش وقت سے کرتے ہیں۔ رائج طرزوں میں دیکھنے (نظر) کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح سے ہے،

> "جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو! کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔" (الملک: ۳۔۴)

زاویۂ نگاہ کے امتیاز سے احساس میں پیدا ہونے والی اضافیت کے بارے میں ارشاد ہے،

"اور تم پہاڑوں کو دیکھ کر قیاس کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں۔ یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔" (النمل: ۸۸)

زمان و مکان کے لحاظ سے متذکرہ بالا آیات کو پڑھیں تو منکشف ہوتا ہے کہ مکانیت کی پیمائش دراصل مظہر کی صورت میں وقت گزرنے کا احساس دلاتی ہے۔ ہم یہ بتاچکے ہیں کہ مکانیت کے اجزا زمانیت سے ماخوذ ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاؒ نے روشنی کی ماہیت کے ذکر میں جو فرمایا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے ایک نور آتا ہے جو ہر طرف پھیلتا ہے یعنی اس کی کوئی سمت نہیں ہوتی۔ نور میں ہر طرح کی انفارمیشن ہوتی ہے۔

مزید تفصیل کے لئے کتاب "تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ" کا مطالعہ مفید ہے۔ اس کو پڑھ کر خیال آئے گا کہ اگر نور کے پھیلاؤ کی سمت نہیں ہوتی تو امتیاز کہاں پیدا ہوتا ہے—؟ اس کا جواب بھی حسیاتی (مشاہداتی) زاویہ ہے۔

باباصاحبؒ نے روشنی سے لطیف تر روشنی کو نسمہ اور نسمہ سے لطیف تر کو نور کے نام سے متعارف فرمایاہے۔

روشنی کے لمحات کی اصطلاحاً وقت، نسمہ کے لمحات کی اصطلاحاً آفاق اور نور کے لمحات کی اصطلاحاً انفس سے پیمائش کی جاتی ہے۔ اس زاویے کے بارے میں قرآن کریم میں ہے،

"عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی۔ یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟" (حٰمٓ السجدۃ: ۵۳)

اس آیت کو عربی میں بار بار پڑھنے سے یہ نکتہ بھی روشن ہوتا ہے کہ حقیقت کا ادراک حواس میں نورانیت سے ہوتا ہے۔ اللہ قادرِ مطلق ہے اور چاہتا ہے کہ مخلوق اسے پہچانے ۔ حقیقت تک پہنچنے کے لئے رب العالمین نے فرمایاہے،

"اور جو لوگ میرے لئے جدوجہد کرتے ہیں، میں ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیتاہوں۔"
(العنکبوت: ۶۹)

حواس کی لطافت، حواس کی رفتار ہے۔ حواس لہروں کے احساس کو ریکارڈ کرتے ہیں۔ صاحبِ حال خواتین و حضرات بتاتے ہیں کہ کائنات لہروں سے بنی ہے۔ ہر غیب و حاضر لہروں کی مخصوص فریکوئنسی اور رفتار کا حاصل ہے۔ حواس جتنے لطیف ہوتے ہیں، ہائی فریکوئنسی کے

لئے اتنے حساس ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کائناتی راز بیان کئے ہیں۔ جیسے "رات" کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ ہے۔ ہر رات — حواس کا ایک مختلف درجہ ہے۔ کسی مخصوص رات میں داخل ہونے کے لئے مطلوبہ رفتار کا وقوف ضروری ہے۔ ذیل میں آیات پر غور کریں کہ قرآن کریم میں مختلف راتوں کا ذکر کس طرح سے ہے۔

"ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے افضل ہے۔"

(القدر: ۱۔۳)

مذکورہ رات ایک ہزار مہینے کے دن رات سے افضل ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہمارے ارد گرد کچھ نہیں بدلتا— آدمی، سورج کا نکلنا اور غروب ہونا، شب و سحر۔ شبِ قدر میں حواس میں ایسی کیا اضافیت شامل ہو جاتی ہے جو اسے عام راتوں سے ممتاز کرتی ہے؟

ایسی ہی فضیلت والی رات کو ایک اور سورۃ میں "مبارک لیل" کہا گیا ہے۔

"پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔"

(بنی اسرآءیل: ۱)

اسی سورۃ میں ایسی ہی ایک اور رات کا ذکر ہے جس میں ہزارہا میل کا سفر سیکنڈ سے کم وقفے میں طے ہوا اور مختلف طبقات کا تفصیلی دورہ کیا گیا۔ اس کو شبِ معراج بھی کہا جاتا ہے۔

سورۃ الانعام میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بھی رات کی کیفیات میں مختلف مشاہدات سے گزر کر حقیقت سے روشناس ہوئے۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔

اس واقعہ کو پڑھنے سے یہ نکتہ بھی روشن ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے حواس کی شہودی اضافیت اپنی قوم سے مختلف تھی۔

"چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا۔ کہا، یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا، ڈوب جانے والوں کا میں گرویدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا، یہ ہے میرا رب۔ مگر جب وہ بھی ڈوب

گیاتو کہا، اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا، یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیمؑ پکار اٹھا، اے برادرانِ قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔"

(الانعام: ۷۶۔۷۸)

گزارش ہے کہ قرآن کریم میں "لیل" کی آیات تلاش کریں۔ آپ کو کئی طرزوں کی لیل کا ذکر ملے گا جیسے حضرت موسیٰؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت مریمؑ کے قصائص ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تیس راتوں کے لئے کوہِ طور طلب کیا اور بعد میں دس راتوں کا اضافہ کیا، اس طرح چالیس راتوں کی مدت پوری ہوئی۔ عربی میں آیت پڑھیں تو اس آیت میں دن کا ذکر نہیں ہے بلکہ دو جگہ لیل کا لفظ آیا ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

حضرت مریمؑ اپنے حجرے میں عبادت میں مشغول رہتی تھیں اور ضرورت کے بغیر باہر نہیں نکلتی تھیں۔ ان کے خالو حضرت زکریاؑ کو یہ

دوجہاں ۔۔۔؟

اک وہم ہے جس کو کہکشاں کہتے ہیں
اک وہم ہے جس کو آسماں کہتے ہیں
اک وہم ہے جس کا نام آدم ہے عظیمؔ
اک وہم ہے جس کو دو جہاں کہتے ہیں

دیکھ کر تعجب ہوتا تھا کہ حضرت مریمؑ کے پاس اکثر بے موسم کے تازہ پھل موجود ہوتے تھے۔ ایک روز دریافت کیا کہ تمہارے پاس بے موسم کے پھل کہاں سے آتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا، میرے اللہ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، بے حساب رزق پہنچاتا ہے۔

اس معجزے پر غور و فکر کیا جائے تو رات کے حواس کی اہمیت کا ادراک ہوتا ہے۔

آیات تلاش کرنے کے دوران یہ امر ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ دن اور رات حواس ہیں۔ دونوں میں ایک ہی تقاضے کام کرتے ہیں، فرق کام انجام دینے کی رفتار کا ہے۔ رات ایسے حواس کا نام ہے جس میں حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ (قسط: ۱۱)

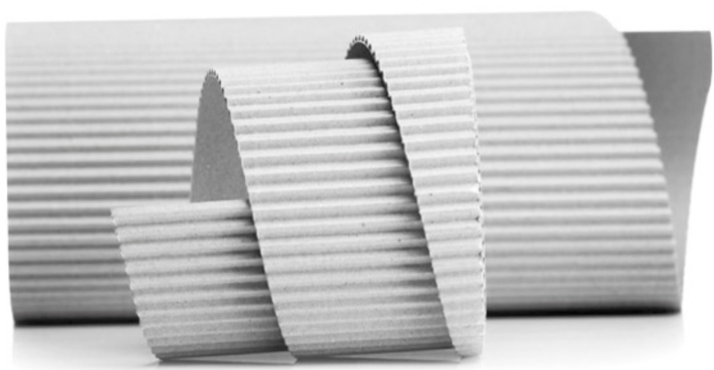

Manufacturer of
Liner & Floating Paper

PRIME PACK INDUSTRIES

C-21, S.I.T.E, Hyderabad
Tel: 022-3880627
Fax: 022-3880381

اقتباسات

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوشش قابلِ قدر ہے۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم و بیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

ہد ہد نے بگلے کی غمگین صورت دیکھ کر کہا، اے بگلے! کیا تو دریا کی حقیقت جانتا ہے ؟ دریا مگرمچھوں اور خطرناک آبی جانوروں سے بھرا ہوتا ہے۔ کبھی پُرسکون اور کبھی پُرجوش ہوتا ہے۔ دریا کا مزاج غیر مستقل اور ناپائیدار ہے۔ کبھی بہتا ہے، کبھی ٹھہر جاتا ہے۔ کشتی میں سوار کئی لوگ گرداب میں پھنس کر غرقاب ہوگئے۔ غوطہ لگانے والا جان کے ڈر سے سانس تھام کر رکھتا ہے۔ اگر کوئی دریا کی گہرائی میں جاکر سانس لے تو دریا اسے تنکے کی طرح باہر پھینک دیتا ہے اور وہ لاش بن کر سطحِ آب پر دریا کی حقیقت بتاتا ہے لیکن پکار سن کر بھی کوئی سننے والا نہیں ہوتا۔ ایسی بے وفا چیز سے وفاداری کی امید ؟ کیا ہوگیا ہے تمہیں بگلے! دریا سے باہر نہیں نکلو گے تو غرق ہوجاؤ گے۔ دریا تو خود سمندر کے فراق میں شور مچاتا ہے اور جب سمندر میں مل جاتا ہے تو خاموش ہوجاتا ہے۔ جو خود اپنی تکمیل کے لئے سمندر کا محتاج ہے، وہ تیری خواہش کیسے پوری کرے گا؟

(مرسلہ: سرفراز توفیق۔ اسلام آباد، کتاب: پرندوں کی ڈائری)

مادی دنیا ایسی کھیتی ہے جس میں آخرت کی زندگی کے کانٹے یا پھولوں کے بیج ڈالے جاتے ہیں۔ اگر کسی بندے نے شیطانی وسوسوں کے تحت اس زمین میں کانٹوں کی کھیتی بوئی ہے تو آخرت میں بھی کانٹے چننا، کانٹے توڑنا اور کانٹے کھانا اس کا مقدر ہے۔ (مرسلہ: نوشین عمران۔ اوکاڑہ، کتاب: پیرا سائیکالوجی)

پہلے محسوس ہوتا تھا کہ وہ مرشد کریم کو یاد کرتا ہے، اب کئی روز سے لاشعوری طور پر یہ احساس محیط ہے کہ میں نہیں — وہ یاد کر رہے ہیں ۔ ابتدا میں اس کیفیت کو ذہن کی اختراع سمجھا مگر مسلسل ایک ہی کیفیت — کیف میں سکون، سکون سے سینہ میں شور، شور میں حرارت، حرارت میں حدت اور حدت میں قربت کا احساس — سب لاشعوری طور پر ایک ہی بات کہتے ہیں کہ مرید حصار میں ہے۔ ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے لیکن لوگ اس طرف دھیان نہیں دیتے۔ جو شخص جس فرد، جذبہ یا شے کے بارے میں سوچتا ہے، وہ اس شے، جذبہ یا فرد کے حصار میں آجاتا ہے۔ پوچھا، میں یاد کرتا ہوں یا آپ یاد کرتے ہیں —؟ فرمایا، بلب میں بجلی کہاں سے آتی ہے —؟ عرض کیا، گرڈ اسٹیشن سے۔ اور بات ختم ہوگئی۔ (مرسلہ: سحر جہاں۔ کراچی، کتاب: مرشد کی باتیں)

علمِ روحانیت سے انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں بیدار اور متحرک ہو جاتی ہیں جن صلاحیتوں کو استعمال کر کے انسان بہترین زندگی گزارتا ہے۔ آخرت کی زندگی کے بارے میں بھی اس کے تصورات واضح اور روشن ہوتے ہیں۔ یہاں خوش رہتا ہے، آخرت میں بھی خوش رہتا ہے جب کہ دنیا کی زندگی میں آدمی جتنا اپنے آپ کو مصروف کر لیتا ہے، اسی مناسبت سے اس کے اندر سے خوشی کم ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو تجربہ سے آدمی سیکھتا ہے یا مایا جال میں پھنس کر اسے دیکھتا ہے۔ (مرسلہ: انس حفیظ۔ شیخوپورہ، کتاب: خطباتِ ملتان)

دنیا میں بے شمار شعبے ہیں مثلاً درزی کا شعبہ ہے، برتن بنانے کا شعبہ ہے، ہوائی جہاز بنانے کا شعبہ ہے، سیٹلائٹ کا شعبہ ہے۔ جتنے بھی شعبے ہیں، وہ اس وقت تک قائم ہیں جب تک ان شعبوں کی اطلاع کوئی فرد قبول کرتا ہے۔ خیال آئے بغیر انسان یا حیوان کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ جس طرح انسانوں کو پیاس لگتی ہے، پیاس لگنے سے مراد یہ ہے کہ جسمانی اعضا سیر اب ہونا چاہتے ہیں تو انسان پانی کی طرف دوڑتا ہے اور یہ عمل صرف انسان کے لئے مخصوص نہیں ہے، زمین پر موجود ہر مخلوق میں مشترک ہے۔ (مرسلہ: نادیہ علی۔ سکھر، کتاب: آگہی)

وزیر آغا

دسترخوان

وہ کہتے تھے کہ یہ قوت زیرِ سطح قوسین، دائروں اور لکیروں کی صورت رواں دواں رہتی ہے۔ چناں چہ جب کوئی انجانے میں بھی ان میں سے کسی لکیر کو چھولیتا ہے تو اسے زمین کی قوت ایک برقی جھٹکے کی طرح محسوس ہوتی ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ اہلِ وطن فرش پر دسترخوان بچھاتے، آلتی پالتی مار کر بیٹھتے اور کھانا کھاتے۔ زمانہ بدلا تو کرسیاں اور میز بچھ گئی جس پر کھانا چُن دیا جاتا۔ پہلے وہ سر جوڑ کر کھاتے تھے، اب سروں کے درمیان فاصلہ نمودار ہوا اور روبرو بیٹھا ہوا شخص مد مقابل نظر آنے لگا— مگر زمانہ ایک حالت میں قیام نہیں کرتا۔ اب کی بار جو اس نے کروٹ لی تو سب سے پہلے پلیٹ کو ہتھیلی پر سجانے اور سرو قد کھڑے ہو کر طعام سے ہم کلام ہونے کی روایت قائم ہوئی پھر ٹہل ٹہل کر اس پر طبع آزمائی ہونے لگی۔

انسان اور جنگل کی مخلوق میں ایک فرق یہ تھا کہ انسان ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا جب کہ جنگلی مخلوق چراگاہوں میں چرتی پھرتی تھی اور پرندے دانے دنکے کی تلاش میں پورے کھیت کو تختۂ مشق بنادیتے تھے۔ یہ فرق اب باقی نہ رہا اور مدتوں کے بچھڑے ہوئے سینہ چاکانِ چمن ایک بار پھر اپنے عزیزوں سے آملے۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کیا ہماری تہذیب کا گراف نیچے سے اوپر کی طرف گیا ہے تو میں کہوں گا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا کیوں کہ ہم نے فرش پر چوکڑی مار کر بیٹھنے کی روایت ترک کر کے کھڑے ہو کر اور پھر چل کر کھانا کھانے کے وتیرے کو اپنا لیا ہے جو چرنے یا دانہ دنکا چگنے کا جدید روپ ہے۔

کسی قوم کے اوپر جانے یا نیچے آنے کا منظر دیکھنا مقصود ہو تو یہ نہ دیکھئے کہ اس کے قبضۂ قدرت میں کتنے علاقے اور خزانے آئے یا چلے

گئے۔ فقط یہ دیکھئے کہ اس نے طعام اور شرکائے طعام کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

بچپن کی بات ہے — ہمارے گاؤں میں ہر سال کپڑا بیچنے والے تاجروں کی ایک ٹولی وارد ہوتی تھی۔ یہ لوگ سارا دن گاؤں گاؤں پھر کر ادھار پر کپڑا بیچنے کے بعد شام کو مسجد کے حجرے میں جمع ہوتے تھے اور کھانا تناول فرماتے۔ زمین پر کپڑا بچھا کر دائرے کے انداز میں بیٹھ جاتے۔ درمیان میں شوربے سے بھری ہوئی پرات بحر الکاہل کا منظر دکھاتی جس میں بڑے گوشت کی بوٹیاں ننھے منے جزیروں کی طرح ابھری ہوئی دکھائی دیتیں۔ وہ ان بوٹیوں کو احتیاط سے نکال کر ایک جگہ ڈھیر کر دیتے اور شوربے میں روٹیوں کے ٹکڑے بھگو کر ان کا ملیدہ بنانے لگتے۔ ملیدہ تیار ہو جاتا تو شرکائے طعام دیانت داری کے ساتھ آپس میں بوٹیاں تقسیم کرتے اور اللہ کا پاک نام لے کر کھانے کا آغاز کرتے۔ وہ کھانا رک رک کر، ٹھہر ٹھہر کر کھاتے مگر اپنی زبان بغیر رکے بے تکان بولتے۔

مجھے ان کے کھانا کھانے کا انداز بہت اچھا لگتا تھا۔ چناں چہ میں ہر شام حجرے کے دروازے میں آ کھڑا ہوتا، انہیں کھانا کھاتے ہوئے دیکھتا اور خوش ہوتا۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر خوش ہوتے اور کبھی برادرانہ اخوت میں لتھڑا ہوا ایک آدھ لقمہ یا گوشت کا ٹکڑا میری طرف بڑھا دیتے۔

مجھے بتایا گیا تھا کہ ان کی پیشکش کو اگر کوئی مسترد کر دے تو اس کی خیر نہیں، اس لئے میں بادل نخواستہ ان کے لقمۂ تر کو کلّے میں دبا کر آہستہ آہستہ جگالی کرتا اور انہیں کھانا کھاتے ہوئے دیکھتا رہتا۔ عجیب منظر ہوتا۔

وہ کھانے کے دوران میں کمالِ سیر چشمی کا مظاہرہ کرتے۔ جب ایک شخص لقمہ مرتب کر لیتا تو پہلے قریبی ساتھیوں کو پیش کرتا اور ادھر سے جزاک اللہ کے الفاظ وصول کرنے کے بعد اپنے منہ میں ڈالتا۔ اخوت، بھائی چارے اور محبت کا ایسا لازوال منظر آنکھوں کے سامنے ابھرتا کہ میں حیرت زدہ ہو کر دیکھتا رہ جاتا۔

تب میں دسترخوان پر کھانا کھانے کے اس عمل کا اپنے گھر والوں کے طرزِ عمل سے موازنہ کرتا تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی کیوں کہ ہمارے گھر میں صبح و شام ہانڈی تقسیم کرنے والی بڑی خالہ کے ارد گرد بچوں کا ہجوم جمع ہو جاتا۔

مجھے یاد ہے جب بڑی خالہ کھانا تقسیم کرتی

تھیں تو ہماری حریص آنکھیں ہانڈی میں ڈوبی کا غوطہ لگانے اور وہاں سے بر آمد ہو کر، ہمارے کسی سنگی ساتھی کی رکابی میں اترنے کے عمل کو ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھتیں۔ اگر کسی رکابی میں نسبتاً بڑی بوٹی چلی جاتی تو بس قیامت آجاتی۔

ایسی صورت میں خالہ کی گرج دار آواز کی پروا نہ کرتے ہوئے ہم بڑی بوٹی والے کی تکہ بوٹی کرنے پر تیار ہوجاتے اور چھینا جھپٹی کی روایت کا ننھا سا منظر دکھاتے جو نئے زمانے کے تحت اب عام ہونے لگی تھی۔

اس زمانے میں کبھی کبھار ولایتی افسر بھی والد صاحب سے گھوڑے خریدنے کے لئے آتا۔ والد صاحب اس کے لئے میز کرسی لگواتے، ولایتی کھانا تیار کرواتے اور پھر گھنٹوں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔

چوں کہ ہم بچوں کو اس کے سامنے جانے کی اجازت نہیں تھی اور ویسے بھی ہمیں اس سے ڈر لگتا تھا، اس لئے ہم اکثر کھڑکی کی جالی کے ساتھ چہرہ لگا کر اسے کھانا کھاتے ہوئے دیکھتے اور حیران ہوتے کہ صاحب بہادر کھانا کھا رہا ہے یا آپریشن کر رہا ہے۔

وہ اپنی پلیٹ میں ابلا ہوا آلو لے کر بیٹھ جاتا اور پھر چھریوں اور کانٹوں سے اس کے پرخچے اڑاتا۔ یوں لگتا جیسے وہ میدانِ جنگ میں کھڑا ہے، آلو اس کا دشمن ہے جسے وہ اسلحے کی مدد سے زیر کرنے میں مصروف ہے۔

کھانے کے معاملے میں جو رواداری، مفاہمت اور لطف اندوزی کا رویہ ہوتا ہے، ولایتی افسر میں قطعاً نظر نہ آیا۔ بعد ازاں جب ولایتی قوم کی عادات و اطوار سے آگاہی حاصل ہوئی تو معلوم ہوا کہ چوں کہ ان لوگوں کو اپنی اس سلطنت کی حفاظت کے لئے جنگی مشقیں کرنے کی اشد ضرورت ہے اس لئے وہ کھانے کی میز پر اس سلسلے کو جاری رکھتے ہیں۔ سو ان کے لئے کھانا جسم کو برقرار رکھنے کا بہانہ نہیں بلکہ دشمن کو زیر کرنے کا شاخسانہ ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کی روایت ہمارا عزیز ترین ثقافتی ورثہ تھا جس کے ساتھ ہم نے عزیزانِ مصر کا سا سلوک کیا اور اب یہ روایت اول تو کہیں نظر نہیں آتی

* رکابی (پلیٹ)

اور نظر آجائے تو مارے شرمندگی کے فی الفور خود میں سمٹ جاتی ہے حالاں کہ اس میں شرمندہ ہونے کی قطعاً کوئی بات نہیں۔

میں تو کہوں گا کہ دسترخوان پر بیٹھنا ایک تہذیبی اقدام ہے جب کہ کھڑے ہو کر کھانا نیم وحشی عمل ہے۔ مثلاً یہی دیکھئے کہ جب آپ دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو دائیں بائیں یا سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے برادرانہ مراسم فی الفور استوار ہو جاتے ہیں۔ آپ محسوس کرتے ہیں جیسے چند ساعتوں کے لئے دونوں ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک ہو گئے ہیں۔

جب سامنے بیٹھا ہوا کرم فرما کمالِ دریا دلی اور مروت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی پلیٹ کا شامی کباب آپ کی رکابی میں رکھ دیتا ہے تو جواب آں غزل کے طور پر آپ بھی اپنی پلیٹ سے مرغ کی ٹانگ اسے پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد کھانا کھانے کے دوران کی لین دین کی وہ خوش گوار فضا ازخود قائم ہو جاتی ہے جو ہمارے ہزاروں برس کا تہذیبی ورثہ ہے۔

◆—◇◈◇—◆

دسترخوان کی یہ خوبی ہے کہ اس پر بیٹھتے ہی اعتماد کی فضا بحال ہو جاتی ہے اور شریکِ طعام حد درجہ معتبر، شریف اور نیک نام دکھائی دیتا ہے۔ دوسری طرف کسی بھی بوفے ضیافت کا تصور کیجئے تو آپ کو نفسا نفسی، خود غرضی اور چھینا جھپٹی کی فضا کا احساس ہو گا اور ڈارون کا جہد البقا کا نظریہ سچا نظر آنے لگے گا۔

دسترخوان کی ایک خوبی اس کی خود کفالت ہے۔ جب دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو اس یقین کے ساتھ کہ آپ کی جملہ ضروریات کو بے طلب پورا کر دیا گیا ہے۔ چناں چہ آپ دیکھتے ہیں کہ دسترخوان پر ضرورت کی ہر چیز موجود ہے حتیٰ کہ اچار، چٹنی اور پانی کے علاوہ خلال بھی مہیا ہیں۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد اگر آپ کسی کو مدد کے لئے بلانے پر مجبور ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو میزبان نے حقِ میزبانی ادا نہیں کیا یا مہمان نے اپنے منصب کو نہیں پہچانا۔

خود کفالت ہماری ثقافت کا ایک امتیازی وصف ہے اور اس کا ہماری قناعت پسندی بلکہ تقدیر پسندی سے گہرا تعلق ہے۔ اپنے دیہات کو لیجئے جو ہماری ثقافت کی صحیح نمائندگی کرتے ہیں۔ اب تو خیر ان میں پہلی سی بات نہیں رہی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ کسان خوراک زمین سے حاصل کرتا ہے جو اس کے جسم کی ساخت

اور تعمیر میں حصہ لیتی ہے مگر کچھ عرصے بعد اس کا اپنا بدن زمین کا رزق بن جاتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے جیسے گاؤں بجائے خود ایک دسترخوان ہے جو کھیتوں کے عین درمیان بچھا دیا گیا ہے جس پر وہ نسل در نسل اٹھتے اور بیٹھتے ہیں۔ ایک نسل جب کھانے سے فارغ ہوتی ہے تو دوسری نسل دسترخوان پر آبیٹھتی ہے۔

دسترخوان کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ آپ کو زمین سے قریب کر دیتا ہے جب کہ میز کرسی پر آتے ہی آپ زمین کے لمس سے محروم ہو جاتے ہیں۔

زمین ایک زندہ، دھڑکتی اور پھڑکتی ہوئی شے ہے جس کی تحویل میں ایک پُراسرار قوت ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو اس قوت کی موجودگی کا علم تھا بلکہ وہ قدم قدم پر اس کے لمس سے بھی آشنا ہوتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ قوت زیر سطح قوسین، دائروں اور لکیروں کی صورت رواں دواں رہتی ہے۔ چناں چہ جب کوئی انجانے میں بھی ان میں سے کسی لکیر کو چھولیتا ہے تو اسے زمین کی قوت ایک برقی جھٹکے کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ تب وہ زمین کے فیوض و برکات کے حصول کے لئے ان لکیروں اور کھائیوں کی تلاش کرتے اور جس مقام پر یہ لکیریں اور کھائیاں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی ملتیں، وہیں عبادت گاہیں تعمیر کرتے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ مقام دراصل زمین کی پراسرار قوت کے سرچشمے ہیں۔

پھر یوں ہوا کہ انسان بتدریج زمین سے منقطع ہو کر پہلے چوباروں پھر میناروں پر چڑھ گیا اور زمین سے جو اس کی ماں بھی تھی اور ان داتا بھی، کٹتا اور دور ہٹتا چلا گیا۔ دسترخوان کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ زمین کے سینے سے چمٹا دیتا ہے تا کہ وہ براہ راست زمین سے اس کی پراسرار قوت کو کشید کر سکے۔

دسترخوان دراصل زمین کا لباس ہے اور اس پر بنی ہوئی قوسین*، دائرے اور لکیریں زمینی قوت کی گزر گاہوں کے مماثل ہیں۔ جب آپ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں تو اس کی غذائیت ہزار گنا بڑھ جاتی ہے جب کہ میز یا کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھائیں تو صاف محسوس ہوتا

* قوسین (arch)

ہے کہ اس کھانے میں وہ برقی رو موجود نہیں جو زمین کی شریانوں سے دستر خوان کی قوسوں اور پھر وہاں سے انسان کی رگوں میں بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچتی ہیں۔

دسترخوان آپ کو زمین کے لمس ہی سے آشنا نہیں کرتا بلکہ انگلیوں کے لمس سے بھی تعارف کرواتا ہے۔ چھری، کانٹے یا چمچے سے کھانے میں وہ لطف کہاں جو ہاتھ سے کھانے میں ہے۔ اس میں دہرا لطف ہے۔

ایک تو اس چیز کا لطف جو کھائی جاتی ہے

دوسرے انگلیوں سے لمس کا لطف!

کسی شخص کے اصل کردار سے آشنا ہونا ہو تو کھانے کے دوران اس کے منہ سے بر آمد ہونے والی آوازوں پر کان دھریں کیوں کہ آدمی کی شخصیت کھانے کی آواز میں مضمر ہوتی ہے۔

دستر خوان پر پوری دلجمعی سے بیٹھ کر کھانا کھانے اور بوفے ضیافت میں انتہائی سراسیمگی کے عالم میں کھانا زہر مار کرنے میں وہی فرق ہے جو محبت اور ہوس میں ہے، خوش بو اور بدبو میں ہے، صبح کی چہل قدمی اور سو گز کی دوڑ میں ہے۔

چار لاکھ درہم

خلیفہ ہارون رشید نے ایک روز شاہی باورچی سے دریافت کیا کہ کیا باورچی خانے میں فلاں نایاب جانور کا گوشت ہے؟ عرض کیا، ہر طرح کا گوشت دستیاب ہے۔ حکم دیا، آج رات پیش کیا جائے۔ رات کے کھانے کا دسترخوان سجا۔ خلیفہ نے پہلا نوالہ لیا ہی تھا کہ وزیر جعفر برمکی مسکرا دیا۔ دریافت کیا، کیوں مسکرائے؟ وزیر بولا، جو لقمہ آپ نے لیا ہے، آپ کے خیال میں اس کی قیمت کیا ہوگی؟ خلیفہ نے کہا، تقریباً تین ہزار درہم۔ وزیر بولا، نہیں حضور! اس کی قیمت چار لاکھ درہم ہے۔ چار لاکھ درہم ---؟ خلیفہ حیران تھا۔ وزیر نے کہا، کچھ عرصہ قبل آپ نے اس کی فرمائش کی تھی۔ یہ اس وقت نہیں تھا۔ آپ نے کہا کہ یہ گوشت شاہی مطبخ میں ہونا چاہئے۔ ہر روز اس گوشت کی فراہمی یقینی بنائی گئی مگر آپ نے دوبارہ فرمائش نہیں کی۔ آج کی ہے اور اب تک چار لاکھ درہم کا گوشت خریدا جا چکا ہے۔ جواب سن کر خلیفہ ہارون خاموش تھا۔

ایک درہم تقریباً 61 پاکستانی روپے کے برابر ہے۔ چار لاکھ کو 61 سے ضرب دیں تو آج کے حساب سے اس نوالے کی کیا قیمت ہوئی؟

Tajammal TRAVELS (PVT) LTD.

IATA ACCREDITED AGENT
IATA Code: 27342433

تجمل ٹریولز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

تجمل للسفریات (الخاصہ) المحمدودہ

ویزہ + ایئرلائن ٹکٹ

ہوٹل + زیارات ٹرانسپورٹ

عمرہ سروس

بجٹ پیکج
اکانومی پیکج

5 ہوٹل کی بکنگ

ٹی ایچ اے اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز

شبعۃ تی ایچ اے ⟨THA⟩ للتطور الامور تتعلق بالعمال/الموعطفین الاجانب

THA
OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTERS
Licence No. 4189/LHR
⟨خصۃ تسعۃ:۴۱۸۹/ایل ایچ آر

- Labour Visa
- Skilled Visa
- Un Skilled Visa

thaoep1@gmail.com

متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، قطر ملائشیا، میں ملازمت کے شاندار مواقع

رانا تجمل حسین
CEO

+92 300 6654 211
+92 302 1165 300
+92 321 6680 266
+92 41 2641 904

Office No. 54, Gate No. 5, Iqbal Stadium. Faisalabad. PK

قلندر شعور اکیڈمی

فیصل آباد

جس طرح ظاہری علوم سیکھنے کے لئے قاعدہ پڑھنا ضروری ہے
اسی طرح روحانی علوم کا بھی قاعدہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ
ظاہری علوم میں علم کے بعد عمل ہے،
باطنی علوم میں عمل کے بعد مشاہداتی علم منتقل ہوتا ہے۔

مراقبہ ہال فیصل آباد: الٰہی ٹاؤن، گوکھووال ملت روڈ، فیصل آباد، پاکستان۔

041-8766190 0321-6696746

عرفانہ شہزاد

سنا کِس نے

یہ خیال بھی آتا ہے کہ جب ہم ڈھونڈنے کے باوجود خود کو نہیں پاتے تو پھر ہم ہیں کہاں—؟ ہیں بھی یا نہیں—؟ ہمارا ہر لمحہ کہیں سے آتا ہے پھر اپنی خبر کیسے ملے—؟ سرگوشی ہوئی، خود کو پانا ہے تو اسے تلاش کرو جس نے تمہیں بنایا ہے۔

کہتے ہیں کہ جو وطن سے دور ہوتا ہے، اسے مٹی کی یاد آتی ہے لیکن جسے وطن میں رہ کر مٹی کی یاد آئے، اس کا کیا ہو—؟

بہت دنوں سے مٹی اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ ایک دن خیال نے شدت اختیار کی تو قریبی پارک گئی، جوتے اتارے اور ننگے پیر مٹی میں کھڑی ہوگئی۔ اندر میں کسی نے انسپائر کیا کہ بیٹھ جاؤ اور ہتھیلیاں مٹی پہ رکھ دو۔

میں نے ایسا ہی کیا۔

یوں لگا جیسے صدیوں کی پیاس بجھ رہی ہو۔

مٹی کے اندر میں توانائی اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ جسم مٹی سے بنا تھا، اسی سے اس کا خمیر اٹھا تھا۔ جب جز—کُل سے قریب ہوا تو اس کی کشش کی تاب نہ لاسکا۔

آج میں مٹی کے بلاوے پر آئی تھی۔ اس نے دیدہ و دل فرشِ راہ کر کے میرا استقبال کیا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے خود کو مٹی کے لمس کے سپرد کر دیا۔ کچھ دیر گزری تھی کہ زمین اینٹی کلاک وائز* گھومتی محسوس ہوئی۔ حیرت اس بات پر ہوئی کہ خاکی جسم زمین سے تخلیق ہوا ہے، زمین کی حرکت اینٹی کلاک وائز ہے تو کیا مٹی کا جسم بھی اسی رخ پر گردش کر رہا ہے؟

لاشعور نے کہا—مٹی کے ذرّات جس ذہن سے وابستہ ہوتے ہیں، اس کے مطابق گردش کرتے ہیں۔ زمین اپنے خالق کا ذکر کرتی ہے اسی لئے زمین کی گردش اینٹی کلاک وائز ہے۔

---

* کلاک وائز میں شعور قدم در قدم اسپیس کا پابند ہے جب کہ اینٹی کلاک وائز میں اسپیس سمٹ جاتی ہے۔

جب زمین میں سے کچھ ذرّات تمہارے جسم کے لئے مخصوص ہوئے تو اب ان کی حرکت تمہارے ذہن کی حرکت کے تابع ہے۔

مٹی میں بیٹھنے سے ذہن یکسو ہوا تو ٹرانسپیرنٹ رنگ کی روشنیوں کی بارش ہوگئی۔ بوندیں تیزی سے جسم سے گزر کر زمین میں جذب (ارتھ) ہونے لگیں اور روح مسرور ہوگئی۔ اس لمحے ذہن زمین و آسمان دونوں سے بیک وقت ربط میں تھا۔ ایک دائرہ بن گیا تھا، میں جس کی رَو میں بہہ رہی تھی۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ہماری بے وفائی کی سرشت مٹی کی مہربانیوں کو پیروں تلے روند دیتی ہے۔ اس کا لمس محسوس کرکے غور نہیں کرتی کہ مٹی کیا کہتی ہے۔

کہتی ہے یہ مٹی بھی بہت سی باتیں
باتوں میں گزر گئی ہیں اکثر راتیں
مٹی کے یہ ذرات کبھی انسان تھے
تھی ان کی کبھی شیخ و برہمن ذاتیں

واقفِ اسرارِ کُن فیکون ___ حضور قلندر بابا اولیاؒ کی رباعیات کی کشش یہ ہے کہ پڑھنے والا دنیا کی چپک سے آزاد ہوجاتا ہے۔ اکثر رباعیات میں مٹی اور جامِ معرفت کا ذکر ہے۔ مٹی اس لئے اہم ہے کہ اس خاک داں میں آدمی کا وجودِ خاکی نہ ہو تو جامِ معرفت پینا اور پلانا بے معنی ہوجاتا ہے۔ فانی پیالے (جسمِ خاکی) کو کسی روز ٹوٹنا ہے۔ ایک مرتبہ یہ پیالہ جامِ معرفت سے آشنا ہوجائے تو امر کا عکس بن جاتا ہے اور مٹی کا خلا اس کی خوش بو سے بھر جاتا ہے۔ قلندر باباؒ کی ہستی "ہر آن حیات ساز، ہر نفس (سانس) وصال" کے مصداق ہے۔

ہمارے پڑوس میں ایک بچی تھی۔ والد نے اس خیال سے کہ بیٹی بڑی ہوگئی ہے، سارے کھلونے کسی کو دے دیئے۔ رات ہوئی تو اس نے رو رو کر آسمان سر پہ اٹھا لیا۔ مجبوراً اس کے ابا گڑیا کی تلاش میں بازار گئے اور بھدّا سا گڈا لے آئے۔ جوں ہی بچی کو گڈا ملا، اس نے اسے تھپک تھپک کر اللہ اللہ کی تکرار کی اور دیکھتے دیکھتے نیند کی وادی میں چلی گئی۔

میں نے سوچا کہ بچی نے تھپکی دے کر کسے سلانے کی کوشش کی___؟

بظاہر وہ گڈے کو تھپکی دے رہی تھی جب کہ ہو یہ رہا تھا کہ وہ اللہ اللہ کہتے ہوئے خود کو تھپکی دے کر سلا رہی تھی۔ اللہ کی تکرار سے سکون

کی لہریں دَور کرنے لگیں اور وہ سو گئی۔

سوچتی ہوں کہ وہ بچے کتنے خوش قسمت ہیں جن کے ماں باپ بچپن سے ان کو اللہ کے ذکر سے روشناس کرتے ہیں اور اللہ اللہ کی تکرار لاشعور میں نقش ہو جاتی ہے جس کا اثر یقیناً ان کے شعور پر مرتب ہوتا ہے۔ جس گھر میں ماں باپ اور بڑے بزرگ نماز پڑھتے اور ذکر کرتے ہیں، وہاں بچے خواہ جتنے بڑے ہو جائیں، انہیں یہ خیال رہتا ہے کہ روح اللہ اللہ پکار رہی ہے۔

یہ بھی سوچتی ہوں کہ بچی نے گڑیا یا گڈے کا سہارا لے کر خود کو اللہ سے قریب کیا جس کی وجہ سے بچپن سے اس کے ذہن میں ایک پردہ رہا۔ کبھی گڈے گڑیا کے روپ میں اور کبھی خود اپنی شکل میں۔ یہ الوژن کی لہریں ہیں جو آباؤ اجداد سے منتقل ہوئی ہیں اور ہم نے ان کو قبول کر کے آگے بڑھایا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ اگر پردہ ہٹ جائے گا تو کیا باقی رہے گا؟

یہ خیال بھی آتا ہے کہ جب ہم ڈھونڈنے کے باوجود خود کو نہیں پاتے تو پھر ہم ہیں کہاں؟ ہیں بھی یا نہیں؟ ہمارا ہر لمحہ کہیں سے آتا ہے پھر اپنی خبر کیسے ملے؟ سرگوشی ہوئی — خود کو پانا ہے تو اسے تلاش کرو جس نے تمہیں بنایا ہے۔

جس جس پہ تیری نظر اے سلطان ہو گئی
مٹی حریمِ نفس کی عرفان ہو گئی

ہمارے دن رات مٹی میں گزرتے ہیں اور مٹی میں چھپ جاتے ہیں۔ مٹی کی نفی سے غیب ظاہر ہوتا ہے اور اس کے اثبات سے غیب چھپ جاتا ہے۔ مٹی کیا ہے —؟

مادی دنیا میں فرد جس چیز کی طرف بڑھتا ہے، وہ اس سے گریز کر لیتی ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ زمین کے حواس نے کسی سے وفا نہیں کی۔ یہاں خواہشات کے پیچھے بھاگنا بے کار ہے۔

بچے کو جب تک پیروں کا ادراک نہیں ہوتا، وہ پاؤں پاؤں نہیں چلتا اور جب ادراک ہو جاتا ہے، اس کے پیر زمین سے لپٹنے لگتے ہیں۔

جنت میں شجرِ ممنوعہ ہے جب کہ اس دنیا میں مٹی آزمائش ہے۔ جب آدمی نے نافرمانی کی تو وہ آزاد دنیا سے نکل کر مٹی کی دنیا میں آ گیا۔

وہ کس ذہن سے یہاں آیا؟

نافرمانی کے ذہن کے ساتھ۔

مٹی میں خمیر اور تعفن ضرور ہے لیکن خود مٹی نافرمان نہیں، ہر لمحے اللہ کے حکم پر کاربند

ہے اور خود پر آباد مخلوقات کے لئے ایثار کر رہی ہے۔ آدمی جس ذہن سے اس دنیا میں آیا ہے، اس کے اندر وہ ذہن کام کر رہا ہے۔*

ہر فرد کے باطن میں اللہ کی محبت کا دِیا روشن ہے۔ اس روشنی میں داخل ہونا معرفت ہے۔ مٹی کی دنیا میں ہمارا واسطہ مٹی سے پڑتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم محبت کا دِیا تلاش کریں، مٹی کے نقش و نگار دیکھنے میں یکسو ہیں۔

ہر منفی چیز کا ساتھ مٹی کے حواس تک ہے۔ جہاں مٹی کی گرفت ٹوٹتی ہے، نافرمانی کا رنگ اتر جاتا ہے۔ جنت میں شجرِ ممنوعہ کی طرف جانے کا ارادہ کرتے ہی ہمارے ذہن یا حواس نے نافرمانی کے رنگوں کو قبول کر لیا تھا۔ ایسے میں جب ہم نے شجرِ ممنوعہ کو دیکھا تو ذہن میں موجود بدلتے رنگوں کا عکس شجرِ ممنوعہ پر پڑا اور ہم سمجھے کہ درخت رنگ بدل رہا ہے۔

رنگ بدلنا یہ ہے کہ خیال ایک رَو میں نہیں رہتا، وسوسے کا شکار ہو جاتا ہے اور آدمی ایک خیال کو ہزاروں روپ میں دیکھتا ہے۔

جس طرح بدلتے رنگوں کا دماغ پہ اثر ہوتا ہے اسی طرح بصارت بھی متاثر ہوتی ہے۔ جب کوئی چیز پے در پے رنگ بدلتی ہے تو راہ نما تجویز فرماتے ہیں کہ اندر میں دیکھنے کی مشق کرو۔ مراقبہ میں یکسوئی سے مٹی کے حواس کی گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔ راہ نما فرماتے ہیں،

"دنیا میں مٹی کے حواس کا غلبہ ہو سکتا ہے اور جنت کا بھی۔ ہم مٹی کے حواس کو چھوڑتے ہیں تو کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمیں کسی چیز کے بارے میں خیال آتا ہے اور وہ حاضر ہو جاتی ہے یعنی اس وقت انتہائی مختصر وقت کے لئے ہم پر جنت کے حواس کا غلبہ ہو جاتا ہے۔"

ہولوگرام (Hologram) ٹیکنالوجی پر غور کریں۔ اس میں لیزر روشنی کے ذریعے کسی شے کے خدوخال کو سہ جہتی (3D) شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگر ہولوگرام ٹیکنالوجی کے تحت آبشار کے نقش و نگار دکھائے جائیں تو فرد اپنی اکائی یا انفرادیت قائم رکھتے ہوئے آبشار میں سے گزر جاتا ہے یعنی وہ کسی اور شے میں داخل ہو کر اس کا اثر قبول نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ میں رہتے ہوئے اس سے گزر جاتا ہے۔

* اس جملے کو خالی الذہن ہو کر تین سے پانچ مرتبہ پڑھئے۔

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و مستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سر سبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کو ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا بجر ولال سامنے آیا اور ردا کی پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ ایک بزرگ نے ردا کو بتایا کہ شہزادے کے ہم زاد کو شیطانی چیلوں سے آزاد کروانے کے لئے تمہارا انتخاب ہوا ہے۔ ردا ایک حادثے میں کوما میں چلی گئی۔ اسپتال میں اس کے اندر سے روشنی کا پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے ہزاروں سال پہلے کے تبت میں لے گیا جہاں پہاڑی عبادت گاہ اس کا نیا مسکن تھی۔ ردا سے پہلے عبادت گاہ میں بزرگ خاتون رہتی تھیں جو شہزادے کے علاج کے لئے محل گئی ہوئی تھیں۔ محل سے واپس آکر بزرگ خاتون نے جوبی پہاڑ پر رہنے کے بجائے تبت کے اس علاقے کا رخ کیا جہاں ان کے استاد مقیم تھے۔ شہزادہ سلطنت چھوڑ کر ان کی تلاش میں نکلا تو اس کے چچا راجا پدل نے تخت پر قبضہ کر لیا اور شہزادے اور بزرگ خاتون کو جان سے مارنے کے لئے سپاہی روانہ کئے۔ بزرگ خاتون نالندہ یونیورسٹی چلی گئیں، شہزادے نے علاقے میں ان کی غیر حاضری محسوس کی تو انجانی سمت چل پڑا۔ اگم کنوئیں پر چھاوی کے قبضے کی خبر سن کر شاہ سرپ ککولا پریشان ہوگئے اور راجا پدل کو مطلع کرنا چاہا۔ ادھر شہزادے کو ریاضت کے لئے غار میں بھیج دیا گیا۔

سب سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ بزرگ خاتون نے کہا، سفر آدھے سے زیادہ طے ہو چکا ہے۔ اگلا مرحلہ کسی بھی مقام پر قیام کے بغیر ہو گا۔ صبح منہ اندھیرے روانہ ہوں گے۔

مالیگا نے گھوڑوں پر بندھے بستر کھول کر بچھا دیئے۔ بزرگ خاتون نے مجھے اپنے بستر پر لیٹنے کا اشارہ کیا جب کہ وہ خود ہرن کے چمڑے پر بیٹھ گئیں۔ راہو اور کاہو نے محافظ کی ڈیوٹی سنبھال لی۔ وہ مختلف سمتوں میں چوکس کھڑے تھے۔

میں حکم کی تعمیل میں بزرگ خاتون کے بستر پر لیٹ تو گئی مگر بے ادبی کے خیال سے نیند غائب ہوگئی۔ پھر سر پر لطیف لہروں کا احساس ہوا اور

پلکیں بوجھل ہوتے دیر نہیں لگی۔

ساری رات خواب کی دنیا میں، بزرگ خاتون کے ساتھ جانے انجانے علاقوں کی سیر کرتی رہی۔ میں سوئی ان کے بستر پر تھی مگر دروازہ بجنے کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

صبح ہو چکی تھی اور یہ جوبی پہاڑ کا حجرہ تھا جہاں میرا قیام تھا۔ دروازہ آیوشی بجا رہی تھی۔ ادب سے سلام کر کے باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی جیسے کچھ ہوا نہ ہو جب کہ میں حیرت زدہ تھی۔ رات سہارن پور میں تھی اور صبح جوبی پہاڑ پر۔ ہم زادوں کو دیکھنا، ان سے باتیں کرنا اور گھر بیٹھے دور دراز مقامات کے مناظر آنکھوں کے سامنے روشن ہونا میرے مشاہدات میں تھا مگر بزرگ خاتون سے ملاقات اور ان کے ساتھ گزرے ہوئے وقت میں مٹی کے جسم کے ساتھ موجود ہونا اور ماورائی دنیا کی سیر نیا تجربہ تھا۔

وقت کیا ہے—؟ راز اب تک نہ کھل سکا۔

وقت کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ لچھاوی خاموش تھی۔ یہ خاموشی بے وجہ نہ تھی۔ پے در پے شکست سے کسی حد تک کم مائیگی کا احساس اب ہونے لگا تھا۔ احساسِ کم تری سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ یہی لچھاوی کے ساتھ ہو رہا تھا۔

بزرگ خاتون دھرما راجیکا پہنچ چکی تھیں جہاں تعلیمی سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ نالندہ کے مقابلے میں یہاں طلبا کی تعداد زیادہ تھی۔ یہاں ایک سے زیادہ درس گاہیں تھیں جن میں دھرماراجیکا اور جولیاں نمایاں تھیں۔ بزرگ خاتون ہفتہ وار بنیاد پر جولیاں میں بھی پڑھانے جاتی تھیں۔

مخالفین کی سازشیں رک گئی تھیں۔ لگتا تھا کہ ایک ٹھہراؤ سا آ گیا ہے۔ جوبی پہاڑ کی عبادت گاہ میں بھی معمول کے مطابق دن گزر رہے تھے۔ سلابھا اور اس کی ماں موریا نے اپنے قبیلے کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ جلد ہی وہ اپنی زمینوں پر منتقل ہو گئیں جو لچھاوی کے بیٹے دندان نے تباہ کر دی تھیں۔ موریا نے باقاعدہ سرداری سنبھال لی تھی۔ جوبی پہاڑ کے مکینوں کی جانب سے بھی اسے ہر طرح کا تعاون حاصل تھا۔ اس دوران کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہوئی۔

سب اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے تھے لیکن ناگوں کے بادشاہ سرپ ککولا غیر محسوس طور پر سرگرم تھے۔ انہوں نے ذہانت اور دانش مندی سے کشان سلطنت کے خزانے کے اس حصے تک رسائی حاصل کر لی تھی جو اگم کنوئیں میں چھپایا

گیا تھا اور اب لچھاوی کی پہنچ سے دور تھا۔

موریا اور سلابھا کے جانے سے جوبی پہاڑ کی رونق کم ہو گئی تھی۔ میرا زیادہ وقت ذکر و مراقبہ میں گزرتا۔ جمعرات کا دن مریضوں کے لئے مخصوص تھا۔ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ لوگوں کے آنے سے کچھ گہما گہمی رہتی پھر خاموشی چھا جاتی۔

بزرگ خاتون سے ملاقات کے بعد اندر میں ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ اکثر مردانِ غیب کی موجودگی محسوس ہوتی اور آوازیں سنائی دیتیں۔ کبھی ان آوازوں کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا اور کبھی آواز سن کر بھی ذہن خالی ہوتا۔

صبح آیوشی نے اطلاع دی کہ کاریز (چھوٹی نہر) سے عبادت گاہ آنے والا پانی کافی کم ہو گیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری روانگی نزدیک ہے اور جوبی پہاڑ میں قیام کا وقت پورا ہونے والا ہے۔ اب کاریز سے عبادت گاہ کی خدمت کے لئے کسی اور کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ذہن میں آنے والے خیالات پڑھ کر خود کو یہاں سے جانے کے لئے تیار کرتی رہی۔ شام ہوتے ہی پھر استغراق کی کیفیت طاری ہو گئی۔ دماغ کی اسکرین پر مناظر ڈوبتے ابھرتے رہے۔ پھر ان میں سے ایک منظر ٹھہر گیا—

شہزادہ جس غار میں عبادت کے لئے گیا تھا، اس کا دہانہ ریت کے ذرّات کی مانند زمیں بوس ہو گیا۔ وہ غار سے باہر نکلا تو سر کے بال اتنے بڑھ گئے تھے کہ زمین کو چھو رہے تھے۔ چلنے میں دشواری کا سامنا تھا۔ یوگدیپ اور طلبا نے اسے سنبھالا۔ اس کی نیم وا آنکھیں ساکت تھیں۔ وہ کہیں اور دیکھ رہا تھا۔

ذہن کی رَو اس کے ذہن سے جڑی تو آنکھوں کے سامنے جو منظر بنا، وہ بزرگ خاتون کا تھا جو اس وقت دھرماراجیکا میں طلبا کو پڑھا رہی تھیں۔ وہ باطنی آنکھ سے جے ونت کو دیکھ چکی تھیں۔ بزرگ خاتون کہاں پر تھیں، یہ انکشاف اس پر ریاضت کے دوران ہوا تھا۔ وہ ریاضت ادھوری چھوڑ کر اٹھ گیا۔ مندمل ہوتے زخم تازہ ہو گئے تھے۔ شہزادے نے حالات دیکھ کر یقین کر لیا تھا کہ بزرگ خاتون نالندہ یونیورسٹی میں عمارت کے ساتھ نذرِ آتش ہو چکی ہیں۔

شہزادے کے ریاضت چھوڑ کر باہر آنے پر یوگدیپ مضطرب تھے۔ جس انداز سے وہ باہر آیا تھا، اس سے ظاہر تھا کہ اب وہ کچھ بھی کر

گزرے گا۔ یوگدیپ کی کوششیں اسے شعور کی دنیامیں واپس لے آئی تھیں۔

ادھر شہزادے پر جیسے شادیِ مرگ طاری تھی۔ نہ کسی سے کوئی سوال نہ یوگدیپ سے کوئی شکوہ کہ میں نے جس کی خاطر سب کچھ قربان کردیا، جب اس کی موت کی خبر ملی تو اس کے ساتھ میں بھی اندر سے مرگیا۔ آپ جانتے تھے کہ وہ زندہ ہے پھر مجھے کیوں نہیں بتایا؟

شہزادے کو کیا معلوم کہ یوگدیپ نے اس سے سچ کیوں چھپایا۔ اسے تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے بزرگ خاتون کو جلا وطنی اختیار کرنی پڑی۔ انہوں نے لچھاوی کی وجہ سے اپنا آبائی وطن نہیں چھوڑا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ بہت پہلے یہ کرچکی ہوتیں۔ وجوہات کیا تھیں، یوگدیپ جانتے تھے یابزرگ خاتون اور دونوں کو شہزادے سے ہمدردی تھی۔

شہزادے کو جڑی بوٹیوں والے نیم گرم پانی سے نہلایا گیا۔ بال تراشے گئے، کھانے میں شہد اور جَو کا دلیہ دیا جارہا تھا۔ وہ فوری طور پر اپنے والد کنزل کڈ فیزز اور والدہ سے ملنا چاہتا تھا مگر یوگدیپ کے سمجھانے پر کہ کچھ دن میں صحت بہتر ہوجائے پھر چلے جانا، وہ رک گیا۔ وہ خود بھی چاہتا تھا کہ ماں باپ کے سامنے اچھی صحت میں حاضر ہو۔ اوپر سے سفر بھی خطرناک تھا۔ ریاضت سے حاصل روحانی قوت سے اس نے یہ معلوم کرلیا تھا کہ اس وقت راجا اور ملکہ کہاں ہیں۔ چند روز میں صحت سفر کے قابل ہوئی تو یوگدیپ کی اجازت سے وہ اتر کھنڈ کی طرف روانہ ہوگیا۔

یوگدیپ نے گھوڑے پر ضروری سامان لاد کر شہزادے کو روانہ کیا۔ وہ اس کے جانے پر افسردہ تھے۔ شہزادہ جے ونت نے انہیں تسلی دی کہ میں آپ سے ملنے جلد واپس آؤں گا۔ شہزادے کی سواری اوجھل ہوچکی تھی مگر یوگدیپ کی نظریں اب تک راستے پر مرکوز تھیں۔

کچھ وقت اسی طرح گزر گیا۔

استاد کو ساکن دیکھ کر ایک شاگرد ادب سے آگے بڑھا اور احترام سے حجرے میں تشریف لے جانے کی درخواست کی۔

شہزادہ برفانی گھاٹیوں سے گزر رہا تھا۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو اڑ کر پہنچ جاتا۔ جیسے تیسے پہاڑی سلسلہ ختم ہوا۔ یوگدیپ کی ہدایت کے

مطابق شہری حدود میں داخل ہوتے ہی اس نے چہرہ کپڑے سے ڈھانپ لیا کہ راجا پدل کے سپاہی اس کی تلاش میں تھے۔ دو چار سپاہیوں پر وہ اکیلا بھاری تھا۔ فنِ حرب میں اس کی مہارت مشہور تھی۔

میدانی علاقے میں آتے ہی گھوڑے کی رفتار تیز ہوگئی۔ وہ پہاڑوں کے ساتھ ساتھ جنگل کے راستے اتر کھنڈ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ مسافت اگر طویل تھی تو مسافر کا عزم بھی جواں تھا۔

آخر کار رات کے دوسرے پہر اس نے گھوڑا اتر کھنڈ کے اس گھر کے سامنے روکا جہاں اس کے والدین نے راجا پدل سے چھپ کر سکونت اختیار کی تھی۔

اجنبی کو دیکھ کر کسی نے الّو کی مخصوص آواز نکالی جو خطرے کا اشارہ تھی۔ اس کے ساتھ ہی چند لحیم شحیم افراد سامنے آئے اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہاتھ میں تلواریں تھیں۔ یہ راجا کڈ فیز کے وفادار تھے۔ شہزادے نے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو سب جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئے۔ کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

انہوں نے راستہ چھوڑ دیا۔

فوراً اندر اطلاع دی گئی۔

شہزادے نے مکان کی جانب قدم بڑھائے۔

کنذل کڈ فیزز اور اس کی بیوی عجلت میں ننگے پیر باہر آئے۔ بیٹے پر نظر پڑی تو دوڑتے ہوئے اس سے لپٹ گئے۔ اس وقت کوئی بادشاہ تھا نہ شہزادہ اور نہ کوئی ملکہ — بس جدائی کے غم میں نڈھال ماں باپ اور بیٹا تھے۔

سب ایک دوسرے کو اپنی روداد سناتے اور حال پوچھتے رہے۔ بیٹے کی جدائی اور اقتدار کے چھن جانے کے دکھ نے راجا کو بہت کمزور کردیا تھا۔ شہزادہ انہیں تسلی دے رہا تھا۔ یہ بھی بتایا کہ بزرگ خاتون زندہ ہیں۔ راجا کنذل کو غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اگر وہ پہلے ہی شہزادے کی بات مان لیتا تو آج حالات مختلف ہوتے۔ باپ نے بیٹے کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا اور بیٹے نے اقتدار واپس دلانے میں باپ کو اپنی مدد کا یقین دلایا۔ راجا کو تسلی ہوگئی کہ شہزادہ اب انہیں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔

بیٹے کی غیر موجودگی میں راجا کنذل کڈ فیزز آرام سے نہیں بیٹھا تھا۔ لالچی بھائی راجا پدل سے بدلہ لینے کے لئے سپاہیوں کی بڑی تعداد خفیہ طور پر تیار کرلی تھی اور رابطے کا پورا نیٹ ورک

تشکیل دیا تھا۔

رات باتوں میں گزر گئی۔ ماں بیٹے کو دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھی۔ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد جب شہزادے کی واپسی کی امید دم توڑ چکی تھی، اس کا اچانک واپس آجانا کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ شہزادہ جے ونت منہ اندھیرے دھرما راجیکا روانہ ہونا چاہتا تھا مگر ماں باپ کے بے حد اصرار پر کچھ وقت کے لئے رک گیا۔

میں جوبی پہاڑ پر حجرے میں لیٹی سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ ذہن شہزادے کے ذہن میں آنے والے خیالات کو دیکھ رہا تھا کہ احساس ہوا کچھ گڑبڑ ہے۔ پتہ لگانے کی کوشش کی مگر دماغ بوجھل ہو گیا اور لاشعوری اسکرین آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئی۔

رات کا کھانا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ پہلے سلابھا کے ذریعے مجھے کھانے کی طرف متوجہ کیا جاتا تھا، اب وہ نہیں تھی تو کسی نے مجھے متوجہ کرنے کی ہمت نہیں کی۔

سلابھا ذہین بچی تھی۔ اس نے واپس جاتے ہی ماں کے ساتھ مل کر یہ معرکہ سر کیا کہ قبیلے کو آبائی علاقے میں دوبارہ آباد کرنا شروع کیا۔ جو لوگ راجا پدل کے ظلم سے بچ گئے تھے، وہ واپس آرہے تھے۔ جوبی پہاڑ کی ترائی (دامن) میں آباد بستیوں کا عبادت گاہ سے گہرا تعلق تھا۔

میں حجرے میں بنے سنگی تخت پر بچھے بستر پر بیٹھی تھی۔ گھٹن کا احساس ہونے لگا تو دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ گھپ اندھیرے میں باہر نکلنا کسی طور مناسب نہیں تھا۔ جنگلی جانوروں کے علاوہ رینگنے والی زہریلی چھپکلیاں حملہ کرنے میں دیر نہیں لگاتی تھیں۔ کچھ حشرات انتہائی موذی تھے، وہ جِلد پر زہریلے مادے کا اسپرے کر دیتے تھے جس سے آبلے بن جاتے۔

باہر ٹھنڈ تھی۔ ہوا کے جھونکوں کے باوجود گھٹن کم نہیں ہوئی۔ میں شہزادے کی وجہ سے پریشان تھی۔ آیوشی نے آج صبح دوبارہ اطلاع دی تھی کہ کاریز سے آنے والا پانی مزید کم ہو گیا ہے۔ وہ پریشان تھی اور وجہ جاننا چاہتی تھی لیکن میں نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔

حیرت اس بات پر بھی تھی کہ جب میرے یہاں آنے کا مقصد ابھی پورا نہیں ہوا پھر واپسی کے لئے خبردار کیوں کیا جا رہا ہے؟

(قسط: ۴۲)

خواب تعبیر اور مشورہ

جنت کا کھانا

سمیرا سمیع، کراچی: خاتم النبیین حضرت محمدؐ کی زیارت سے مشرف ہوئی۔ خواب میں دیکھا کہ حضور اکرمؐ سے ایک صحابی نے کھانے کے متعلق کچھ عرض کیا۔ آپؐ نے اشارے سے فرمایا کہ آجائے گا۔ اتنے میں ایک شخص خوان لے کر حاضر ہوا۔ صحابی نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس شخص سے پوچھا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے۔ اس نے جواب دیا، جنت کا کھانا ہے۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت سے کھانا آتا ہے۔ آپ کو مبارک ہو۔ الحمدللہ، خواب نہایت مبارک ہے۔ 11 سو مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر خاتم النبیینؐ کو ایصال ثواب کیجئے۔

ٹوکن

ک۔ش، فیصل آباد: خوب صورت پھولوں اور دل کش پودوں کی چار دیواری سے بنی سفید عمارت دیکھی اور مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ایک بزرگ صحن میں پلنگ یا تخت پر سفید لباس زیب تن کئے تشریف فرما ہیں۔ کونے میں تین جاننے والے افراد کھڑے ہیں۔ بزرگ نے ان سے کچھ کہا جو میں سن نہیں سکا لیکن محسوس ہوا کہ بزرگ نے انہیں گاڑی لے جا کر کسی کو بلانے کا کہا ہے۔ منظر بدلا۔ دیکھا کہ بزرگ حاضرین کے مسائل سن رہے ہیں۔ پھر انہیں اوپری منزل پر تشریف فرما دیکھا۔ میں سیڑھیوں پر کھڑا حاضرین کو ملاقات کے لئے ٹوکن دے رہا ہوں۔ بھانجی کہتی ہے کہ ماموں! انگلینڈ سے ٹیلر ماسٹر آپ کو بار بار فون کر رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا، ان سے کہو کہ رات میں جب دل چاہے، فون کر لیں۔

تعبیر: ذہن پریشان اور الجھا ہوا رہتا ہے تو اس قسم کے خواب نظر آتے ہیں جن کو یاد کر کے آدمی مزید پریشان ہو جاتا ہے۔ آپ کو چاہئے کہ پابندی کے ساتھ پانچ وقت نماز ادا کیجئے اور اسباق میں ناغہ نہ کیجئے۔ نیند کم کر دیجئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سکون عطا فرمائے۔ بڑے بھائی کو سلام کہئے۔

عقیدت

نام شائع نہیں کرنا: دیکھا کہ شہنشاہ ہفت اقلیم باباتاج الدین ناگپوریؒ مہمان خانے میں آرام فرمارہے ہیں اور گہری سوچ میں ہیں۔

تعبیر: الحمدللہ، خواب کی تعبیر مبارک ہے۔ تعبیر آپ کے سامنے آجائے گی — انشاءاللہ۔ خواب میں آپ کے لئے بشارت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عقیدت، محبت اور دلی تقاضا پورا فرمائے۔ ہم سب کے لئے دعا کیجئے کہ ہمارے نصیب بھی جاگ جائیں اور ہمیں باباتاج الدینؒ کا فیض نصیب ہو، آمین۔ سب کو درجہ بہ درجہ سلام۔ بچوں کو پیار۔

گاڑی

محمد راحیل، کراچی: چھوٹے بھائی کے ساتھ پرانے گھر کی گیلری میں سو رہا ہوں۔ وہاں ایک اچھی بڑی گاڑی کھڑی ہے۔ والدہ بھی ہمارے پاس بیٹھی ہیں۔ واضح رہے کہ بھائی گزشتہ کچھ عرصے سے بیرونِ ملک مقیم ہیں۔

تعبیر: بعض خواب ڈراؤنے ہوتے ہیں، ان کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ کوئی واقعہ دماغ کی اندرونی تہ میں چھپا ہوا ہوتا ہے، وہ ڈرامے کی شکل میں نظر آتا ہے۔ خواب کی اور بھی بہت قسمیں ہیں۔ کبھی آدمی روتا ہے اور کبھی ہنستا بھی ہے۔ آپ کا دیکھا ہوا خواب گاڑی کے اردگرد گھوم رہا ہے۔

چھیڑ چھاڑ

محمد عثمان، کراچی: خواب میں ایک بزرگ کو جوان دیکھا۔ جب میں ان کے قریب گیا تو مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے انہوں نے فرمایا، ہمارے پاس کالے جادو وغیرہ کا علاج ہوتا ہے۔

تعبیر: عزیز بھائی! آپ بتایئے کہ خواب سے آپ کی کیا مراد ہے —؟ چھیڑ چھاڑ یا تعبیر بیان کرنے والے کا امتحان —؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ سات آٹھ ارب آدمیوں کی آبادی خواب دیکھ رہی ہے۔ شاعر نے کہا ہے،

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

حسینہ سہیل، کراچی: تعبیر — خواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے اندر روحانی صلاحیتیں ہیں۔

اگر آپ اسباق کی پابندی کریں اور ان پر عمل کریں تو کامیابی ہوسکتی ہے، انشاءاللہ۔

دنیاداری

ش۔ف: لوگ ذکر کے لئے جمع ہیں لیکن ہم آواز نہیں ہیں۔ کوئی کچھ پڑھ رہا ہے اور کوئی کچھ۔ اتنے میں ایک بزرگ تشریف لائے تو میں پہلی صف میں جا کر بیٹھ گئی۔ وہاں شوہر اور ان کے دوست بھی ہیں، باقی سب پیچھے بیٹھے ہیں۔ بزرگ ہم سے مخاطب ہوئے کہ مسئلہ کیا ہے؟ کیا آپ یہاں رشتہ داریاں نبھانے آتے ہیں؟ ہم نے آپ کو دنیاداری کی باتیں کرنے کے لئے یہاں جمع نہیں کیا۔ یہ سن کر ہم لوگوں کے سر ندامت سے جھک گئے۔ انہوں نے چند اشخاص کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ کا کام ہے کہ سب کو خاندان کی طرح ساتھ لے کر چلیں۔

ان کے لہجے میں ناراضی تھی۔

انہوں نے خاموشی سے سب کو دیکھا۔

پھر تیز آندھی چلی۔

تمام لوگ ادب سے کھڑے ہوگئے۔ بزرگ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے چلے گئے۔

تعبیر: خواب بجائے خود تعبیر ہے۔

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!

السلام علیکم

م۔ش (کراچی): والدہ مرحومہ کو خوب توانا اور صحت مند دیکھا۔ فرمانے لگیں کہ مجھے اپنے مرشد سے ملواؤ۔ ہم مرشد کے آستانے پر حاضر ہوئے تو وہاں دروازے پر موجود صاحب نے ہمیں تھوڑی دیر انتظار کرنے کا کہا۔ والدہ انتظار کرنے لگیں۔ وہی صاحب آئے کہ چلیں۔ جب والدہ صاحبہ کی طرف دیکھا تو وہ سوچکی تھیں۔ میں انہیں جگانے لگا تو ان صاحب نے کہا، نہیں! انہیں مت جگایئے۔

تعبیر: قبرستان جاکر السلام علیکم یا اہل القبور کہئے۔ ماں جی کی قبر کے پاس سلام کرکے ادب سے بیٹھئے۔ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھئے اور پھر چاروں قل پڑھئے، ایک ایک مرتبہ۔ ماں جی کی طرف سے سرورِ کائنات خاتم النبیینؐ کو ایصالِ ثواب کیجئے۔ اور ماں جی کو مجھ عاجز بندے کا سلام عرض کیجئے۔

ر۔ک، تعبیر: اگر آپ کے پاس موبائل فون ہے (ہونا چاہئے) تو ایک ماہ کے لئے اس کا استعمال ترک کردیجئے۔ کھانوں میں نمک اتنا کم کردیجئے کہ دوسرے لوگوں کو کھانا پھیکا لگے۔

رات کو سونے سے پہلے دو کھجوریں دودھ میں بھگوییئے۔ صبح اٹھ کر وضو کر کے فجر کی نماز ادا کیجئے، اگر بلڈ پریشر لو نہ ہو تو شمال رخ کھڑی ہو کر دونوں کھجوریں کھا لیجئے۔ 21روز کا علاج ہے۔

دل کی رگیں

ش۔خ (واہ کینٹ): تین پرانی قبروں پر بڑے بڑے پتھر رکھے ہیں۔ دو قبریں ایک ساتھ اور تیسری کچھ فاصلے پر ہے۔ سوچ رہی ہوں کہ قبریں کس کی ہیں۔ دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ کسی نے آگے کی طرف جانے کو کہا۔ کچھ دور جانے کے بعد ایک غار نظر آیا۔ اس میں بھی بڑے پتھر تھے۔ غار کے آس پاس جھاڑیاں اور ایک طرف خوب صورت خاتون بیٹھی تھیں۔ ان کے حسن و معصومیت کو دیکھنے میں مگن تھی۔ قریب پہنچی اور سلام کیا۔ انہوں نے پیار سے سلام کا جواب دیا۔ واپسی کا سفر تیزی سے شروع کرنے کی کوشش کی تو ایسا لگا کہ غار کی اشیا مجھے کھینچ رہی ہیں۔ اس خوف سے آنکھ کھل جاتی ہے۔ پھر باغ میں بچے کو بیٹھے دیکھا۔ جیسے ہی اسے پیار کرتی ہوں، وہاں ایک آدمی میری گردن دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ بمشکل خود کو چھڑاتی ہوں۔ اس کے بعد ایک عورت بچے کو مارنے دوڑتی ہے۔

تعبیر: آپ کے دل کی رگیں متاثر معلوم ہوتی ہیں۔ پرہیز اور مستقل مزاجی کے ساتھ علاج سے فائدہ ہوگا، انشاءاللہ۔

سمندر میں پھول

فرزانہ جاوید (کراچی): ایک بڑے سمندر میں جہاز نظر آیا۔ وہاں ایک پودا ہے جس پر خوب صورت پھول لگا ہوا ہے۔ سمندر کی اطراف گھر بنے ہوئے ہیں اور لوگوں کی رہائش ہے۔ کنارے پر درخت اور رنگ رنگ پھول لگے ہیں اور فضا خوش بو سے معطر ہے۔ سمندر میں پودوں پر لہلہاتے پھولوں کو دیکھ کر خوش اور حیران ہوں۔ کسی کو بتاتی ہوں کہ یہ بہت خوب صورت علاقہ ہے۔

تعبیر: قرآن کریم میں ارشاد ہے،

"اللہ وہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔ جس نے کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔"

(ابراہیم: ۳۲)

دنیاوی وسائل کے اعتبار سے تفکر کیا جائے تو دماغ کے اندر مظاہرہ ہوتا ہے کہ کوئی شے ایسی نہیں جس کے مظاہرے کی بنیاد پانی پر نہ ہو۔ پھول ہو یا دنیا کی کوئی شے، اس کا بنیادی جز پانی ہے۔ پانی کی صفات میں تفکر بتاتا ہے کہ پانی سیال شے ہے۔ کائنات میں جتنی اشیا ہیں، آج کی زبان میں اسے ڈائی کہتے ہیں، پانی تخلیقی قانون کے مطابق جس ڈائی میں جاتا ہے، وہی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ مثلاً درخت، پھول، ثمرات ہر شے میں پانی بنیادی عنصر ہے۔

خواب کی تعبیر یہ ہے کہ آپ ذہین خاتون ہیں، تفکر کی طرزوں میں آپ کو چاہئے کہ غور کیجئے اور تلاش کیجئے کہ زمین کے اوپر کوئی شے ایسی ہے جس کی بنیاد پانی پر نہ ہو؟

تحفہ

سیما، کراچی: تقریباً روزانہ خواب میں نعت پڑھتی ہوں۔ ایک دفعہ دیکھا کہ کوئی صاحب میرے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ میں اس وقت مطالعے کے کمرے میں ہوں جہاں روحانی علوم کی کتب رکھی ہوئی ہیں۔ دروازہ کھولا تو

ماہنامہ قلندرشعور جنوری 2023ء

آپ کے خواب اوران کی تعبیر

پورانام:................ والدہ صاحبہ کا نام: ....

پوراپتہ:..

ازدواجی حیثیت:............ وزن (تقریباً): .... آنکھوں کا رنگ............

نیندکیسی آتی ہے:............ بلڈ پریشر(نارمل/ہائی/لو):............ تاریخ پیدائش:............

میٹھاپسند ہے یانمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟............ فون نمبر............

خدانخواستہ دماغی،نفسیاتی مرض اوروہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصرحالات : ....

....

ایک صاحب جو اجمیر شریف سے آئے تھے، میرے مرشد کا نام لے کر پوچھتے ہیں کہ کیا وہ یہاں رہتے ہیں؟ میں کہتی ہوں کہ جی! وہ یہیں رہتے ہیں۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں آپ کے مرشد سے بہت محبت کرتا ہوں۔ پھر مجھے کچھ دے کر کہا کہ ان کو میری طرف سے یہ تحفہ دے دیجئے، میں آتا رہوں گا۔ میں تحفہ اپنی نند کو دکھاتی ہوں، یہ نعت کی کتاب تھی۔

خواب میں یہ بھی دیکھا کہ میرے منہ سے خون نکل رہا ہے۔ ایک ایسا کیڑا جو الماری سے نکلتا ہے، وہ میرا خون چوس رہا ہے۔

تعبیر: خواب مبارک ہے۔ اس خواب میں ایسے تمثلات بھی ہیں کہ خواب دیکھنے والا فرد غیبت کرتا ہے۔ آپ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ غیبت نہ کیجئے۔ آپ کو نعت پڑھنے کا شوق ہے۔ یہ نہایت درجے اچھا عمل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو خاتم النبیینؐ کے نور سے روشن کرے، آمین۔

پابندی ـــ آزادی

ماضی، حال اور مستقبل بنیادی طور پر بیداری اور نیند ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ نیند زندگی نہیں ہے۔ علومِ ظاہر کے دانشور جب نیند اور خواب کی دنیا کا تذکرہ کرتے ہیں تو خواب کو ایک خیالی زندگی کہہ کر گزر جاتے ہیں جب کہ خواب اور بیداری کی زندگی الگ الگ نہیں ہے ـــ صرف حواس کی درجہ بندی ہے۔ بیداری کے حواس میں اپنے اوپر پابندی محسوس کرتے ہیں اور خواب کے حواس میں خود کو پابندی سے آزاد دیکھتے ہیں۔ سفر ایک ہے فرق صرف پابندی اور آزادی کا ہے۔ مراقبہ انسان کو حواس کے دونوں رخوں سے متعارف کراتا ہے۔ متعارف ہونے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آدمی اعصابی تکان کی وجہ سے ارادتاً پابندی کے حواس سے ہٹ کر ایسے حواس میں قدم رکھنا چاہتا ہے جہاں پابندی نہیں ہے۔ آدمی اعصابی تکان کی وجہ سے جب سکون چاہتا ہے اور دنیاوی آلام و مصائب اور رنج و غم سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو طبیعت اسے اس زندگی میں لے جاتی ہے جس زندگی کا نام نیند ہے۔

that I could save water underground and conserve the topsoil and hold it tight. This helped the other residents of the garden to sip water from the underground reservoir so that they remain quenched all year long. Even when the gardens around suffered in the drought, ours remained lush. The dead logs became perfect hosts for mushrooms to sprout. Squirrels stored their nuts in me to survive the winters. Mankind used my leaves and bark as medicine and my fruit as nourishment. They even sat underneath me and found the peace they needed. Though it looked like I lost a few friends when I grew taller than them, I was being nurtured to serve a bigger purpose in the same garden."

Scores of birds flew a few feet away as the wise, old tree swayed in happiness and then came back to perch on its branches once again. It reminded the young tree of his caretaker who flung her young children in the air and caught them back in her embrace.

The wise, old tree heard his thoughts and said, "Yes, once you learn to surrender to the Creator who has embedded your purpose within you, you will surrender to His ways of getting you to execute what He wants from you. Until you give up what you have, you cannot make way for what is meant to arrive in your life. Keep sacrificing a part of yourself selflessly each day. The more you serve, the more love surrounds you. Do not worry about who you lose enroute; because you will gain more than you have ever imagined when you get where God wants you to be. And look at the glory of our beloved God! He makes us useful even when we are stationary all our lives. Does this not prove that we do not have to walk a mile to be useful? Those we need to serve will come themselves seeking us. All we need to do is surrender to the transformation God is bringing in us for the service He wants out of us."

The young tree bloomed in happiness. He stretched a few branches into the space of the wise, old tree and embraced him tightly. He now looked forward to the unfolding of his purpose.

"It is Natural"

A teacher's favourite vase slipped off his student's hands and broke into pieces.

The student was perplexed and did not know how to inform the teacher. After consideration, he went and asked, "Sir, why do people die?"

The teacher replied, "It is natural. Everything on this earth is bound to perish. What exists here, will eventually die."

The student held out the broken pieces of the vase and said, "The time for your vase to die had come, Sir."

i

Nothing is Purposeless

It was a barren land when they had moved in a year back. She looked at the backyard in fondness. The plants were growing lush green and the flowers were in full bloom. She particularly loved the tall young tree along the wall. She remembered planting a tiny sapling in the soil, not knowing it would grow so tall and so soon. She stepped out, walked to the tree, hugged it tightly, and exclaimed, "How beautiful you are!"

She stood there oblivious that the rest of the garden was talking too. The plants were talking to each other, "All of us have him as our favourite!" "Why not? He has grown leaps and bounds." "Oh! There was a time we were all of the same height and she would touch us all with the same intensity of love." "Ever since he towered over us, we get overlooked."

The tree stood amidst the comments, not knowing what to do. His growth was not up to him, and he did not know how tall, short, or wide he would go on to be. He still loved his friends, however, in the last few months, his friends seemed to have left him to himself as a punishment for growing taller than them.

He stretched his branches to reach out to the tree that was along the wall of the neighbour and asked, "*Baba*, what did you do to make the others feel better about you being different and taller than them?"

"Nothing. I did nothing." Chuckled the wise, old tree.

"And it worked?" asked the young tree curiously. "Yes. But it took a while of waiting in faith. You see, when we grow out of reach for those who love us, they get upset about their loss and wish we could cut back on our progress and go back to what we were. Since growth and change are inevitable, no matter what we do, there will be periods of growing apart. But at times, what grows apart finds a way to come back together in a different dynamic." The wise, old tree paused to see if the young tree was attentive.

"How? Please share. I am enjoying where this conversation is going." The young tree was gushing in excitement; he had finally found a ray of hope.

"When I grew a few feet taller, the creepers began to enjoy my strong arms and latched on for support and came back to love me. When I started to flower, the bees and other pollinators came by to enjoy the nectar and more love poured in. When I was ready to fruit, the birds built their homes on my branches. As time passed, my branches flourished, and the dry leaves and twigs became fertiliser for the entire garden around me. When my roots grew, I saw

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے مِلا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

she finally found the child sitting alone in fear inside what looked like a dark space. The child was her younger self. Maternal instincts kicked in and she hugged her younger version protectively and said, "Hush…I am here now! We will get out of this together. How did you get trapped here?"

The child looked up at her and locked her eyes with her. Images poured in. Strict parents, dominant teachers, bullying classmates – the scars of her experiences were all over her body. The child was firefighting every day until one day she stopped and became fire herself. The child had created unaccountable walls of fire around her to protect herself without realising that she would remain trapped behind them without knowing how to get out. She took the child in her arms and whispered, "We did not know there was an alternative way to deal with our pain. We know now! Adding fire to fire only increases the intensity of heat and harms us more. Deepen your focus on he who arrived into our lives as a gush of cool wind and doused the hellfire within us."

Taking a deep breath, she deepened her focus on the man. She knew that the more she focused on him, the more she could free herself from these traps of imagery. She was right, the moment her focus was on him, the images vanished and so did the child and the fire. She saw herself standing before him. His radiant smile wiped her heart clean.

The heart now mirrored deeper awareness. She knew who he was. He was the spiritual guide and mentor to her soul. He would help her cruise through the illusion of life and steer her to the right path when she deviated.

Images of meeting him in the other world poured in. She had been fortunate to have him around her in that world of chaos. He had always been with her, guiding her, mentoring her, whispering the right way forward. She just could not understand why she had not given prominence to him, even after life had introduced them. Had she learned to place her focus on him, and prioritise him, the illusion of life would have stopped affecting her as much as it had.

A tear dropped down her eyes and fell upon her master's feet. "Have I failed my test, beloved master?" she asked.

"It is you who have been testing your weakness, dear Noor. And it is your ego that has been setting you up to fail in all your self-inflicted tests. If you remain as flowing water, no fire can touch you. It is time to live life the way God Almighty wants you to," replied the master.

"Doctor! Noor has opened her eyes," screamed her husband in delight. Her family was ecstatic. Noor woke up remembering nothing. Her life, part 2 or test 2, had just begun. Only time would tell if she would once again stand before her master with either honour or shame.

moving forward, not knowing who or where she was. Everything seemed to be so new to her. She explored the world around her with the heart of a young child.

As she moved through the curtains of mist, she saw a glimpse of a radiant personality. He sat there peacefully overlooking the surreal surroundings. She hastened to reach him. Something in her was drawing her to him. An image suddenly flashed before her eyes – she was about six years of age. She held a large magnet in her hand and was enjoying how the magnetic force attracted the metal pins toward it. She snapped out of it suddenly and could not remember anything more. "When was I a 6-year-old? Where was this place where I saw myself? How do I know what a magnet is?" Though her mind was in a whirlpool of questions, the moment her gaze fixed on the radiant personality, the storm inside her subsided and she realised that he was like the magnet, and she the metal pin that was being drawn towards him.

The more she tried to walk towards him, the more the curtains of mist surrounded her. As she struggled to walk ahead, an array of images flashed before her eyes. She saw herself looking unpleasant as an adult. She was constantly either sad about her life, frustrated, angry, or negative. She saw various other characters around her being affected by how she felt. She knew them and yet it seemed like she did not know them. Some agency inside her just knew they were her husband, daughters, parents, siblings, etc. How did she know them, and where were they all now – she had no idea.

Her yearning to meet the illuminated personality intensified and so she focused on him. Instantly the images that shrouded her shut down and to her surprise, the mist that covered her faded too. She intensified her pace of walking.

Suddenly, bright red veils of fire covered her. Trapped, she felt intense heat burning her. It was like she was held hostage in a burning furnace. Images poured in. She saw herself angry. Her anger was waging war with everything and everyone. She saw the fire of anger burning everything down – her career, relationships, peace, her entire life. In that instant, a final scene flashed before her eyes – she was speeding in her car, seething in anger. The fire of anger burnt her ability to see, hear, reason, and feel. She heard her last thought, "I want nothing of this. I want out." Next, she saw herself in a massive collision.

The bright red veils increased their grip around her. The grip was so tight that it was extremely difficult for her to breathe. The heat was getting unbearable. She took a deep breath and repeated, "I want nothing of this. I want out." Through the walls of fire, she heard the cries of a wailing child. She dodged the fire and rushed in the direction of the cry. Trapped behind layers and layers of fire,

i

Amnesia

Through the walls of fire, she heard the cries of a wailing child. She dodged the fire and rushed in the direction of the cry. Trapped behind layers and layers of fire, she finally found the child sitting alone in fear inside what looked like a dark space. The child was her younger self.

For the onlookers, it was a horrific accident. The car had completely overturned, and it was a miracle that the woman driving the car had been saved. The ambulance had arrived, and the paramedics were doing their best to get her the best emergency care. The law enforcement officers were trying to control the people and vehicles that had gathered around. Someone had found the woman's phone and informed her family. A man who had arrived at the scene was seen running around distraught; he was her husband. Finally, the ambulance rushed the woman to the hospital. Over the next few hours, the path was cleared and the traffic began to move as usual. No one who passed that route thereafter would even know that the spot had witnessed an accident. The experts had left no trace of the collision.

On the other side, the hospital where the patient was taken to was well-equipped to manage trauma cases and had gathered its best team to handle her. The doctors were rather surprised to see that her body bore no injuries. The impact of the accident should have left her body wounded. Suspecting internal injuries, they set out to examine her through various tests and scans. Her vitals were perfect, and her internal state of health was excellent too, however, she was in a deep coma state. The medical team shifted her to a facility where she could be closely monitored.

"She seems to be in a deep state of sleep. It is perplexing as nothing is outwardly or inwardly wrong for us to treat. It is only a matter of time now. We must wait for her to open her eyes," the doctor said, shaking his head in disbelief as he read her reports. Her husband sat rooted. There was nothing more for them to do but wait. He glanced at her face. Strangely it was tranquil and emanated a hue of bright light like her name – Noor. "Noor! Open your eyes. I cannot bear to think that I am helpless and cannot help you. Our little world looks forward to having you back with us. We will make things work," he whispered to her. He was sure Noor could hear him.

Noor was oblivious to the happenings in this world and was busy in another world. She saw herself in a beautiful serene place. However, the atmosphere was misty and hence the beauty around her seemed to be playing hide and seek with her. She kept

wards spiritual knowledge, his coming to Nana Tajuddin (RA), and Nana's (RA) response, all entail wisdom, hidden meanings, and laws for the travelers of the spiritual path, as well as for the readers who are blessed with an inquisitive mind.

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) stayed with Nana Tajuddin (RA) for nine years for his spiritual training.

Hazrat Saeeda Bibi (RA) exited this world while Qalandar Baba Auliya (RA) was acquiring his spiritual education from Nana Tajuddin's (RA) spiritual university. Qalandar Baba Auliya (RA) raised his siblings after his mother's passing. A mother plays a pivotal role in the upbringing of her children. The patterns that a mother inscribes in the mind of her children stay with them for their entire life. Their life is molded into these primary patterns. The mother that the Divine Power chose for the training and upbringing of the lofty and universal personality of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA), who was later deputed at a high rank in the spiritual administration system, was no ordinary figure. Only a woman of extraordinary stature, a knower of secrets and mysteries, could have served this purpose. The life of Saeeda Bibi (RA) is a beacon of light for all, particularly mothers.

Inspired Knowledge and Acquired Knowledge

A change in thinking patterns can occur through both worldly learnings or direct transference of lights from a spiritual master to a student. The former, *Ilm-e-Husooli* (Acquired Knowledge), is how we learn things in this material world and is gripped by the constraints of time and space. The latter, *Ilm-e-Huzoori* (Inspired Knowledge), however, is free from spatiotemporal constraints.

This Divine knowledge that is transferred by spiritual masters, is free from the need for physical existence. However, it is vital for a student to have attained the required strength of consciousness to accept and inherit this transference. *Ilm-ul-Asma* (Knowledge of the attributes of God), was taught to Prophet Adam (PBUH) by God Almighty through transference. *Ilm-e-Huzoori* is true knowledge encapsulated within every creature and is unaffected by change.

One cannot understand *Ilm-ul-Asma* through information and research; the awareness is transferred from the heart of a friend of God to the true believers. Only those who have cognised God can elaborate the truth of the attributes of God. This is because *Ilm-e-Huzoori* cannot be contaminated by one's interpretation; it is only passed down in its true essence.

to send my mother to Nagpur. This was during the time that Nana (RA) stayed with Maharaja Raghu Rao. Our stay was arranged at Satranji Pura. It was a routine that he came to visit us every day or every alternate day, and spent hours with us, while the residents of the area visited him. Nana (RA) spent so much time solving people's matters that his mind would go numb. One day, he unintentionally walked through a wall as if it were not made of concrete. His horse cart was parked behind the wall and, to reach it, he walked towards the wall instead of going through the door. It seems as though this wonderworking had occurred involuntarily as his mind had dissolved into the Divine Light whilst solving the problems of the people. Therefore, his body, being subservient to the mind, transcended from the station of gravity."

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) received his early education in his hometown, Khorja, and higher education in Buland Shehar. Later on, he went to Aligarh Muslim University for his higher studies. During his studies, he developed an aptitude for spiritual knowledge and spent his time with a spiritual figure by the name of Maulana Kabli (RA). He stayed in his company for about five or six months following which, he went to Nana Tajuddin Nagpuri (RA), who did not let him leave thereafter.

Saeeda Bibi (RA) says,

◊ Take more care of the poor and needy.

◊ One should not fulfill every wish of their children.

◊ If there are faults in the husband and wife, they should not reveal them to people. To reveal a spouse's shortcomings is in actuality revealing one's own shortcomings.

◊ One should not discuss the failures of one's children outside one's home. This ill habit makes children disobedient.

◊ After marriage, a son and daughter-in-law should try to live separately. Every bird builds a separate nest.

When Hazrat Sherdil (RA) found out about this, he travelled to Nagpur and requested that Nana Tajuddin (RA) allow Qalandar Baba Auliya (RA) to return to Aligarh and complete his studies. The keeper of the secrets and mysteries, Nana Tajuddin Nagpuri (RA) replied,

"If he is allowed to study more than what he has studied this far, he will be of no use to me."

Nana Tajuddin's (RA) words reveal that the friends of God are trained and raised under a strict system of supervision and that the spiritual masters keep a close watch on their every action. Huzoor Qalandar Baba Auliya's (RA) increasing inclination to-

Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) describes,

"At first, the snake got stuck on the tree and then it fell to the ground broken into pieces."

Her gaze was so intensely powerful that the body of the snake was unable to bear it.

The process of vision executes in a particular manner. When we look at something, rays originate from within us, reach the body of the object that we are looking at, and capture its image, which is then reflected onto the screen of our mind. Seeing, hearing, cognition, and every other process that is happening in the world takes place with the help of rays. When Saeeda Bibi (RA) looked at the snake, it was not an act of merely seeing. The rays that were infused in her sight were so powerful that when they struck the body of the snake, it became immobile and was stuck to the tree trunk. It then fell to the ground, reduced to mere fragments. Saeeda Bibi (RA) was aware of the strength of concentration and also the practical application of the power of rays.

The heavens and earth are established on the rays of *Noor* (a stage of Divine light). By knowledge of rays, we refer to the knowledge of their frequencies (fixed proportions). For someone at Saeeda Bibi's (RA) level, everything that is in the heavens and earth is at their disposal.

A large python lived in Saeeda Bibi's (RA) home and it usually rested under a tree on the patio. It is mentioned in the book, '101 Women Friends of God',

"During the full moon, the moonlight filtered through the trees and transformed the patio into a strange kaleidoscopic landscape. In this moonlit ambiance, the courtyard appeared to be a starry cosmos. The floor of the patio was earthy and Hazrat Sherdil Khan (RA), had it filled with river sand. The python often lay there; it measured five and a half feet in length. Whenever guests arrived, Saeeda Bibi (RA) instructed the python to go inside a room and not come out, and it would retire to the room."

A python living as a pet with humans is not an ordinary happening. Saeeda Bibi (RA) took good care of it and protected it from the hot and cold weather. The python understood every single word she spoke to him. Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) rode the python and played with it.

When Saeeda Bibi (RA) stayed in Satranji Pura, Nana Tajuddin Nagpuri (RA) visited her often. Abdal-e-Haq (RA) narrates,

"My father was a diarist in Delhi Tool Tax when a wall of our house collapsed in the rain. The landlord was unwilling to repair it and the spell of the rains continued."

"Nana Tajuddin (RA) wrote a letter to my father, instructing him

your head caressed by spiritual men and women, and seek their blessings."

The habits and manners that are developed in childhood stay with a child for the rest of their life and go on to shape their personality. On this, one of Huzoor Qalandar Baba Auliya's (RA) friends, Syed Nisar Bukhari narrates,

"Since his childhood, Qalandar Baba Auliya (RA) refrained from playing with ordinary boys his age, being close with them, or indulging in indecent games. He was a born genius, well-mannered, and social. He could differentiate between good and bad. He greeted his friends with love and left no stone unturned in helping them in his humble capacity. He concentrated on his studies during study time and, when it was time to play, he keenly observed sports. He was simplistic, elegant, and very kind from his early childhood. If he ever saw anyone suffering or in pain, he would comfort them and extend help to the best of his ability. He always talked to those in his age group with respectable salutations."

Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya's (RA) childhood appeared like a brief sketch of all these wonderful characteristics that later on unfolded and encompassed his entire life.

The Master of the Seven Realms, Hazrat Baba Tajuddin (RA) raised Saeeda Bibi (RA) as his daughter and, due to this affiliation, Qalandar Baba Auliya (RA) referred to him as his *Nana* (maternal grandfather). Nana Tajuddin (RA) had given something called 'Green Ointment' to Hazrat Saeeda Bibi (RA). No one knew what it was but the 'Green Ointment' was associated with her conquests in the unseen realm.

God Almighty blessed Saeeda Bibi (RA) with such abundance that her house brimmed with guests. It was a practice in her household to give offerings in the name of God and run a *Langar* (charity kitchen). Her store was always stocked with groceries. She says, "Do not care about the provision of resources. Planning wisely and working hard for it, is for the creation; to provide abundantly is for the Creator as He is the Caretaker and Owner of the entire universe."

The blessed soul, Saeeda Bibi (RA) was a self-respecting, generous, giving, and hospitable Woman. She often repeated,

"Giving is better than receiving. A hand that is open to great charity is a medium to inviting abundance in resources."

Abdal-e-Haq Qalandar Baba Auliya's (RA) mother was a woman who had experiential knowledge of *Kashf* (revelation) and wonderworking. One day, dangling from the tree, a black snake hissed continuously and repeatedly stuck out its tongue. Seeing the crown on its head, she thought the snake could harm the children and fixed her gaze on it.

i

The Dear Mother

Dangling from the tree, a black snake hissed continuously and repeatedly stuck out its tongue. Seeing the crown on its head, she thought the snake could harm the children and fixed her gaze on it.

"A mother should teach her children how to love God."

These golden words are shared by, Hazrat Saeeda Bibi (RA), mother of Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) – who is a master of *Ilm-e-ladunni* (the knowledge of the formulae of creations). These golden words have infinite oceans of meaning in them and hidden in the depth of these oceans are the pearls of *Ilm-e-Huzoori* (inspired knowledge). This knowledge protects a child born with the natural pattern of thinking from the treacherous illusions of the material world and brings them closer to the Most Gracious and Most Merciful God, by making their senses so subtle that they eventually observe the secret that, "نحن اقرب الیه من حبل الورید" (God is closer to us than our jugular vein).

What is *Ilm-e-Huzoori*? It is to remain immersed in the Omnipresence of God Almighty and observe His attributes being manifested in the universe. To reach this state, however, one must acquire the senses that function beyond the confinements of the earth and the heavens. And this cannot be attained without one cognising their soul.

The mother who loves God – the Creator, the Caretaker – initiates the same love in her child too and this is because a child reflects their mother. Saeeda Bibi (RA) says, "On doomsday, God will not ask you how you fed your children, rather, how you raised them."

Hazrat Saeeda Bibi (RA) and her husband, Hussain Mehdi Badiuddin Sherdil (RA) were both virtuous, pious, and God-loving souls. They had two sons and four daughters. Qalandar Baba Auliya (RA) was the second born, after one sister, who was the eldest.

Hazrat Syed Muhammad Azeem Barkhiya, also known as Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA), was born in a town called Khorja, in the district of Buland Shehar, U.P, India, in the year 1898. Saeeda Bibi (RA) and Hazrat Sherdil (RA) paid special attention to both the inner and outer well-being of their children and raised them well on all these accounts. It is due to their training that their children developed a pleasant demeanour and became extremely well-mannered, respectful, and wise, from a very young age. They would extend respectful gestures to both the young and the old alike.

Saeeda Bibi (RA) advises, "Get

with an open mind. Let the mind be free from illusion.

Humans are knowledge based on innumerable layers; a knowledge that comes from somewhere, appears, and then disappears. When the knowledge descends from its source or record, it passes through all the layers present in the universe. The knowledge becomes apparent to humans in the layer which they experience knowledge consciously, that is, they witness themselves awake in that layer. The remaining layers remain dormant.

Humans are moving from *ghaib* (unseen) to the *zahir* (apparent) and to the *ghaib* again from the time they are born until they die. They arrive from the unseen and are hidden in the unseen. Humans do not reside only in this world, rather, they inhabit all the layers and the worlds that are connected to these layers. Humans are knowledge and their existence is also knowledge, hence, the paths or worlds that they pass through before their appearance on earth (a screen) and enter into the conscious, are the very same paths that they pass through subconsciously too. What would happen if they became aware of their arrival and exit?

Seeing a dream is an example that befits this. In a dream, one eats, drinks, sleeps, wakes up, and sometimes it becomes mandatory upon them to take shower after seeing a wet dream. Likewise, when witnessing a nightmare, one's body trembles and they wake up terrified and drenched in sweat. It is worth contemplating why one is fearful or happy when one watches a dream.

• • ——————————— • •

Revered sisters and brothers, honourable friends and elders! The existence of the various worlds is based on the belt of thoughts. There is meaning in every thought. Every meaning operates on two existences or two directions, for example, hot and cold, sweet and sour, pleasant and unpleasant, happiness and sorrow, existence and non-existence, birth and death. Death means, transference. A day-old child and a 60-year-old man keep shifting into time; and after coming out of time, they once again transfer back into time. In the Holy Quran, God Almighty has stated that everything comes from Him and everything goes back to Him.

Honourable ladies and gentlemen! The secrets written by the tip of the pen in the *Message of the Day* are written through the flow of inspiration. Read them with focus and also hand out photocopies of the same to your friends so that they may read too. May God Almighty accept your service. *Amen*.

May God protect you.

have the right information on the existence of something, or if they have not seen it as it is in reality, and they are unaware of its creative formulae, then their knowledge becomes illusory. Illusory knowledge is that which takes mankind far from reality and they see what does not exist. Unless and until mankind sees the world that is within them, hears their inner voice, understands through inner comprehension, and instead speak the language that is not aligned to their inner, they will remain illusory themselves as they are not aware of their own selves.

من عرف نفسهٗ فقد عرف ربهٗ

(Whoever knows their self, knows their Lord.)

• • ———————— • •

Illusion or reality is not on the outside, it is inside. One thinks that things vary, or that the scenes change, that the day enters the night and the night becomes day, and that the sun rises in the east and sets in the west. The truth is that the scenes do not change, rather, the mind of the observer changes. The state and composition in which the creations are, are maintained as they are. The reason why we see them change is that we have no knowledge of the foundation upon which day, night, and the other scenes are based.

(Law) When the sight shifts from the foundation, the mind is encased in illusion.

Whatever a person sees, they see inside. Whatever they hear, they hear inside. One is able to see the earth, sky, moon, sun, stars, mountains, plants, flowers, colours, and light on the screen of their mind only when their attributes and the ability to see them are present. This means the status of creatures is nothing but knowledge. Seeing, hearing, understanding, and speaking are branches of knowledge. First, the attributes of the creature are transferred or activated, and it is then that a person sees, or else they do not see. For one to be able to see, it is important to have an attribute of seeing, for one's abilities are related to the attributes. Humans are that knowledge, that was given the awareness of the creative formulae of the universe by God Almighty.

> "And hath made of service unto you whatsoever is in the heavens and whatsoever is in the earth; it is all from Him. Lo! herein verily are portents for a people who reflect." (Quran, 45:13)

• • ———————— • •

All those things that are visible and invisible are knowledge. A glass of water is placed on a table. Water, glass, and table are all knowledge. By knowledge, it is to say that their formula of creation is different from each other. The identity of the creatures that we see or do not see in the heavens and earth, is nothing but the fact that they are all formulae (knowledge).

Respected readers! Thank you very much. Read the *Message of the Day*

Message of the Day

Mankind is in search of knowledge, however, they are knowledge themselves. God created the statue of Adam (PBUH) and within its structure placed all those attributes through which mankind can attain the knowledge of the formulae of creation. Mankind is a statue made out of innumerable waves. What we think of as dust, is a collection of waves and that which we call light is also a wave. The waves are threads interwoven as warp and weft, which create layers, and these layers are garments. Each of these layers emits different frequencies of energy, thereby activating movement – until there is energy, the threads of the garment remain integrated. The layer, be it of dust, colour, or light, is made of waves, and waves are knowledge. Therefore, humans, formed out of these waves are also knowledge.

When humans think of knowledge as separate from them, fictional point of views are created and when they think of themselves as knowledge and contemplate themselves, they realise that they are the universe themselves. God created mankind as *Ahsan-e-Taqweem* (best of the best stature) – that is, created out of the best proportions. Humans are bestowed with the inheritance of Father Adam (PBUH). There are as many layers as there are worlds in this universe. Each layer is a garment of some world. As humans are *Ahsan-e-Taqweem,* every layer (garment) in the universe is present in them, and they can enter any world through this knowledge. In the world of dust, they wear the garment of dust and after their death, they are transferred to the *Aaraf* (hereafter) and wear the garment of that realm.

• • ——————— • •

Whatever exists is nothing but knowledge. Seeing, hearing, understanding, and speaking are all branches of knowledge. The sight observes something when one has knowledge of it, however, if there is no knowledge then the sight does not see. Every creature is made out of waves; however, we are unable to see the waves because we do not want to learn the knowledge of the waves.

There are three stages of knowledge:

1. *Ilm-ul-Yaqeen* (Certitude of Knowledge)
2. *Ain-ul-Yaqeen* (Certitude of Sight)
3. *Haq-ul-Yaqeen* (Absolute Certitude)

In all three stages, knowledge is subject to certitude. If one does not

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	138
The Dear Mother	Gul-e-Nasreen	135
Amnesia	Bibi Anuradha (UAE)	130
Nothing is Purposeless	Raheel Inam	126

"We must trust God for all of our needs. Look at your past and see how every single need that you had was fulfilled by God."

Vol10 Issue12 | January 2023 | Jumada-al-thani — Rajab 1444AH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in Chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya[RA]

Chief Editor
Khwaja Shamsuddin Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.110/- Per issue. Annual subscription Rs.1680/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020

FL 5 & 6, Block B, Gulshan-e-Jamal
Rashid Minhas Road, Karachi.
Lavish DineLavish DineLavish Dine
: lavishdinerestaurant
Lavish Dine
Restaurant
www.lavishdinerestaurant.com
- Party up to
400 Persons
- Affordable
Party Menus
- Buffet
- À la carte
Ph: 021-34570423
Cell: 0333-3538004

SANGAM HOTEL MUZAFFARABAD

HOSPITALITY IS OUR TRADITION

We serve famous delicious Cuisines, offer Air conditioned Rooms, Suites, well equipped Wedding and Conference hall and great Customer service.

Phone No: +925822444194-5 Fax No: +925822442587

Email:sangamhotel@hotmail.com

- Domestic/Commercial Independent solar systems
- Solar Powered Street Lights
- Solar Tube well pumps
- Hybrid solution for Telecom sector/BTS towers
- Large Scale Photo Voltaic plants

SOLAR SOLUTIONS

CCTV

COMMERCIAL

RESIDENTIAL

SAMSUNG alhua TECHNOLOGY

We offer best IT solutions to meet your needs!

Cummins®

Power Generation

DIESEL GENERATORS

GUIDELIGHT
BUSINESS SOLUTIONS

We Offer Sustainable Solutions...

Jawad Tower, Block-B, 4th Floor, Flat # 6, University Road, Peshawar-Pakistan.**Ph#** 091-5711454
E-mail: info@gbs.com.pk , azeemi.moon@gmail .com **web:** www.gbs.com.pk

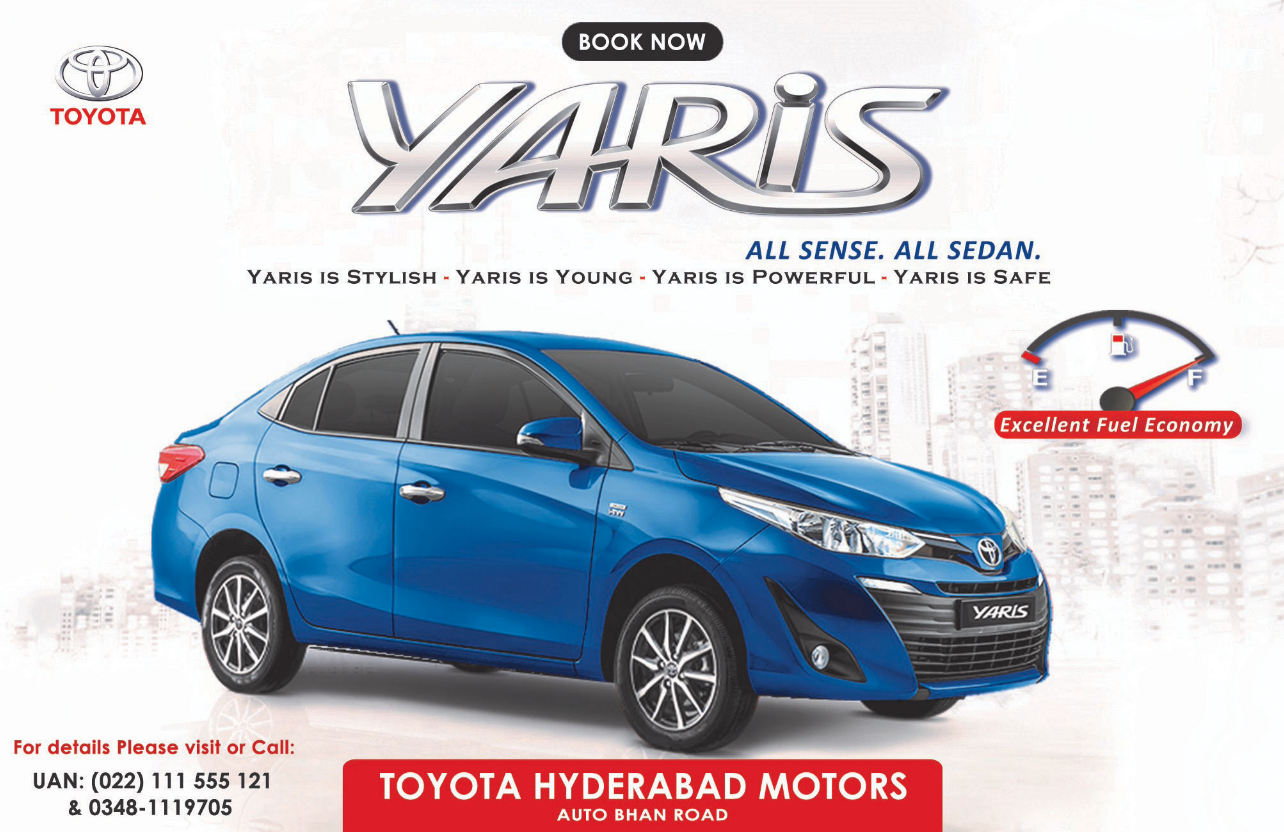
TOYOTA
BOOK NOW
YARIS
ALL SENSE. ALL SEDAN.
YARIS IS STYLISH - YARIS IS YOUNG - YARIS IS POWERFUL - YARIS IS SAFE
E
F
Excellent Fuel Economy
YARIS
For details Please visit or Call:
UAN: (022) 111 555 121
& 0348-1119705
TOYOTA HYDERABAD MOTORS
AUTO BHAN ROAD